AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X

Print ISSN: 3006-6921

اسلامی اخلاقیات کی تشکیل میں مسلم مفکرین کا فکری کردار اور اثرات

THE INTELLECTUAL CONTRIBUTIONS AND IMPACT OF MUSLIM THINKERS IN THE FORMATION OF ISLAMIC ETHICS

Dr Muhammad Arif Raza
EX Visiting Lecturer Islamic Studies National Textile University Faisalabad
qarisaab78600@gmail.com
Dr Muhammad Muzammil Imran
Lecturer Islamiat the Punjab School System and Ps College Kehkashan Colony Number 2 Jaran Wala Road Faisalabad
muzammilimran.6692@gmail.com
Dr.Manzoor Hussain
Assistant Professor.
Department of Islamic Studies.
Fuuast University Karachi
manzur.baqir@gmail.com

Abstract:
The Islamic ethical system is a beautiful synthesis of human nature, sound reason, and divine revelation. It not only emphasizes the inner moral refinement of the individual but also shapes external and collective life within a high moral framework. The foundations of Islamic ethics lie in the teachings of the Qur'an, the Sunnah of the Prophet Muhammad □, and the practical models of the Rightly Guided Caliphs and the noble Companions (may Allah be pleased with them).However, as the Islamic society expanded, new cultural, intellectual, and philosophical challenges emerged that necessitated fresh interpretations and explanations of ethical teachings. Particularly during the Abbasid era, when the Islamic empire extended into Greek, Persian, and Indian civilizations, philosophical and ethical concepts from these traditions entered the Muslim world. In this context, Muslim thinkers not only preserved revelation-based ethics but also undertook the task of explaining and interpreting them through reason and philosophy. This process endowed Islamic moral thought with a structured and intellectual character, wherein concepts like the self (nafs), intention (niyyah), justice ('adl), piety (taqwa), brotherhood (ukhuwwah), benevolence (ihsan), and goodness (khayr) were explored not only through religious discourse but also through rational exposition.Within the Islamic intellectual tradition, a number of profound thinkers emerged who explored ethics through the lenses of philosophy, mysticism (tasawwuf), theology (kalam), and jurisprudence (fiqh). Imam al-Ghazali, in his magnum opus Ihya' 'Ulum al-Din, placed ethics and spirituality at the heart of religion and presented the Prophetic character as the path to spiritual perfection. Ibn Miskawayh, in Tahdhib al-Akhlaq, harmonized Greek moral philosophy with Islamic principles and developed a comprehensive framework for the cultivation of virtues and the purification of the soul. Al-Farabi, in al-Madinah al-Fadilah, emphasized the construction of a virtuous society grounded in moral principles, while Ibn Rushd sought harmony between reason and revelation, articulating ethical principles through rational argumentation.These intellectual contributions by Muslim thinkers were not merely theoretical exercises; rather, they had lasting impacts on the political, educational, and social structures of Islamic societies. Their ideas were integrated into the curricula of madrasas, the spiritual training of Sufi lodges, and the legal frameworks of Islamic courts, transforming into a practical code of life. Even today, as the modern world grapples with a profound moral crisis, the intellectual legacy of these Muslim thinkers offers a pathway to ethical revival.This paper aims to examine the intellectual role and influence of Muslim thinkers in the formation of Islamic ethics within its historical, intellectual, and philosophical contexts—seeking to highlight their contributions and explore how this rich intellectual heritage may guide the search for ethical renewal in the contemporary world.

Keywords: Intellectual Contributions, Muslim Thinkers, Islamic Ethics, Indian Civilizations, Philosophical

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X

Print ISSN: 3006-6921

اسلام کا اخلاقی نظام انسانی فطرت، عقلِ سلیم، اور وحی الٰہی کے درمیان ایک حسین امتزاج ہے، جو نہ صرف انسان کی داخلی اصلاح پر زور دیتا ہے بلکہ اس کی خارجی اور اجتماعی زندگی کو بھی ایک اعلیٰ اخلاقی سانچے میں ڈھالتا ہے۔ اسلامی اخلاقیات کی بنیاد قرآن مجید کی تعلیمات، سنتِ رسول ﷺ، اور خلفائے راشدین وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عملی نمونوں پر استوار ہے۔ تاہم، جیسے جیسے اسلامی معاشرہ وسعت اختیار کرتا گیا، تہذیبی، علمی اور فکری چیلنجز نے اخلاقی تعلیمات کی تعبیر و تشریح کے نئے در وا کیے۔ بالخصوص عباسی دور میں جب اسلامی ریاست کا دائرہ یونانی، ایرانی اور ہندی تہذیبوں تک پھیل چکا تھا، تو ان اقوام کے فلسفیانہ اور اخلاقی تصورات بھی مسلم دنیا میں داخل ہوئے۔ اس تناظر میں مسلم مفکرین نے ایک طرف وحی پر مبنی اخلاقیات کو محفوظ رکھا، تو دوسری طرف عقل اور فلسفے کے ذریعے اس کی تفہیم اور توضیح کا فریضہ انجام دیا۔ اس عمل نے اسلامی اخلاقی فکر کو ایک منظم اور علمی صورت عطا کی، جس میں نفس، نیت، عدل، تقویٰ، اخوت، احسان، اور خیر جیسے مفاہیم کو نہ صرف دینی پیرایے میں بیان کیا گیا بلکہ ان کی عقلی توضیح بھی پیش کی گئی۔ اسلامی فکری روایت میں ایسے مفکرین پیدا ہوئے جنھوں نے اخلاقیات کو فلسفے، تصوف، کلام اور فقہ کے دائرے میں لے جا کر اس کی گہرائیوں کو واضح کیا۔ امام غزالیؒ نے "احیاء علوم الدین" میں تصوف اور اخلاق کو دین کا مرکز قرار دیا، اور اخلاقِ محمدی ﷺ کو روحانی ارتقاء کا ذریعہ بتایا۔ ابن مسکویہؒ نے "تہذیب الاخلاق" میں یونانی اخلاقی فلسفے کو اسلامی روح کے ساتھ ہم آہنگ کرتے ہوئے اخلاقی صفات کی تربیت اور تزکیۂ نفس کا تفصیلی خاکہ پیش کیا۔ فارابیؒ نے "المدینۃ الفاضلہ" میں اخلاقی معاشرے کی تشکیل پر زور دیا، جبکہ ابن رشدؒ نے عقل و وحی میں ہم آہنگی پیدا کرتے ہوئے اخلاقی اصولوں کو عقلی دلائل کے ساتھ بیان کیا۔ مسلم مفکرین کی یہ فکری کاوشیں محض علمی مشق نہ تھیں، بلکہ انہوں نے اسلامی معاشروں کے سیاسی، تعلیمی اور سماجی ڈھانچے پر دیرپا اثرات مرتب کیے۔ ان کے خیالات مدارس، خانقاہوں اور عدالتوں کے نظام میں شامل ہو کر ایک عملی ضابطۂ حیات بن گئے۔ آج بھی جب جدید دنیا اخلاقی بحران کا شکار ہے، تو ان مسلم مفکرین کی فکر ہمیں اس بحران سے نکلنے کا راستہ دکھاتی ہے۔ یہ مضمون اسلامی اخلاقیات کی تشکیل میں مسلم مفکرین کے فکری کردار کو تاریخی، علمی اور فکری سیاق و سباق میں پرکھتے ہوئے ان کے اثرات کو نمایاں کرنے کی کوشش کرے گا، تاکہ اس عظیم فکری سرمایہ سے استفادہ کیا جا سکے اور معاصر دنیا میں اخلاقی احیاء کی کوئی راہ متعین ہو سکے۔

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی آمد ایک تدریجی اور تاریخی عمل تھا، جو نہ صرف سیاسی فتوحات کے ذریعے، بلکہ روحانی و اخلاقی تبلیغ کے نتیجے میں وجود میں آیا۔ عرب تاجروں کی ابتدائی کوششوں سے لے کر محمد بن قاسم کی سندھ پر فتح (711ء) تک، یہ عمل بتدریج آگے بڑھا۔ محمد بن قاسم کی مہم کو نہ صرف عسکری کامیابی کہا جا سکتا ہے، بلکہ یہ اسلامی تہذیب کے ابتدائی بیج بونے کا ذریعہ بھی بنی۔ اسلام کی اس سرزمین میں جڑیں مضبوط کرنے میں سب سے نمایاں کردار صوفیاء کرام کا رہا۔ ان کی تعلیمات کا مرکز و محور اخلاقی اصلاح اور باطنی تربیت تھی۔ حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش نے اپنی شہرہ آفاق کتاب کشف المحجوب میں روحانیت و اخلاق کی اہمیت کو جس خوبصورتی سے بیان کیا ہے، وہ آج بھی ہمارے لیے رہنمائی کا منبع ہے۔[2] خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، شیخ نظام الدین اولیاء، اور دیگر صوفی بزرگوں نے نہ صرف عقیدت و عبادت کی تعلیم دی بلکہ اپنے طرزِ عمل سے عوام کے دل جیتے۔ مغل دور میں اسلامی تہذیب و ثقافت کو ریاستی سرپرستی حاصل ہوئی۔ تاہم، اکبر اعظم کے مذہبی تجربات جیسے دینِ الٰہی نے مسلمانوں میں فکری اضطراب پیدا کیا۔ اس تناظر میں مجدد الف ثانی (شیخ احمد سرہندی) کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ انہوں نے نہ صرف اس فتنہ کا بھرپور علمی رد کیا بلکہ مسلمانوں کو شرعی اصولوں کی طرف واپس لانے کی کوشش کی۔ برطانوی استعمار کے دور میں مسلمانوں کو زبردست تہذیبی، سیاسی، اور تعلیمی بحرانوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس زمانے میں سر سید احمد خان نے تعلیمی اصلاحات کے ذریعے مسلمانوں میں جدید شعور پیدا کیا۔ ان کا مقصد مسلمانوں کو مغربی علوم سے ہم آہنگ کرنا اور ان کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنا تھا۔ □ اسی سلسلے میں علامہ محمد اقبال نے فلسفۂ خودی کے ذریعے مسلمانوں کو اپنی گمشدہ شناخت یاد دلائی، اور آزادی کے لیے فکری زمین تیار کی۔ ان کی فکر نے مسلمانوں کے اندر بیداری پیدا کی، جس کے نتیجے میں قیام پاکستان جیسی تحریک نے جنم لیا۔ یہ تمام شخصیات نہ صرف مصلحین و مفکرین تھے بلکہ ان کی فکری و عملی کاوشوں نے مسلمانوں کی معاشرتی، سیاسی، تعلیمی، اور اخلاقی زندگی کو نئے خطوط پر استوار کیا۔ ان کے اثرات آج بھی مسلم معاشروں میں محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

اسلامی اخلاقیات کی تشکیل میں مسلم مفکرین کا آغاز اور ان کی ضرورت

اسلامی اخلاقیات کی تشکیل میں مسلم مفکرین نے ہمیشہ اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان مفکرین کی فکری کاوشوں کا مقصد معاشرتی اور مذہبی لحاظ سے اسلامی معاشرت کے تمام پہلوؤں کی اصلاح کرنا تھا۔ خاص طور پر وہ وقت جب مسلمانوں کو اپنے مذہبی تشخص کے بارے میں سوالات اٹھانے کا سامنا تھا، اور جب برصغیر میں ان کی سیاسی اور سماجی حیثیت متاثر ہوئی تھی، ان مفکرین نے اپنی فکری جدوجہد کے ذریعے مسلمانوں کو اپنی اصل شناخت اور اسلامی تعلیمات کے ساتھ جوڑا۔ اس دور میں اخلاقی اصلاحات

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X

Print ISSN: 3006-6921

کی ضرورت تھی تاکہ مسلمان قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزار سکیں اور اپنے اندر ایک ایسا معاشرتی ضابطہ پیدا کر سکیں جو نہ صرف ان کے انفرادی کردار کو بہتر بنائے بلکہ پورے معاشرتی ڈھانچے کو اخلاقی طور پر مستحکم کرے۔[1]

مسلم مفکرین نے اخلاقی اصولوں پر زور دیا تاکہ مسلمانوں کا معاشرتی تاثر مضبوط ہو اور وہ اپنی زندگیوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ترتیب دے سکیں۔اس وقت معاشرتی مسائل میں بدعنوانی، اخلاقی پستی اور روحانی انحطاط نے جگہ بنالی تھی۔ مفکرین نے مسلمانوں کو اپنی اسلامی شناخت کو اجاگر کرنے اور ان کے اندر اخلاقی بیداری پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ وہ اپنی روزمرہ زندگی میں اسلامی اصولوں کو اپنائیں۔اس مقصد کے حصول کے لیے مسلم مفکرین نے قرآن وسنت کے اخلاقی اصولوں کو سمجھایا اور ان پر عمل کرنے کی ترغیب دی۔وہ جانتے تھے کہ اسلامی اخلاقیات کی بنیاد قرآن کی تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر ہے، اور ان اصولوں کی روشنی میں معاشرتی زندگی کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ان مفکرین نے اسلامی اخلاقی ضابطہ کو ایک ایسا مکمل نظام کے طور پر پیش کیا جس میں فرد، خاندان، معاشرہ اور ریاست کی سطح پر اخلاقی اصولوں کا اطلاق ضروری تھا۔[2]

اس جدوجہد کا آغاز بنیادی طور پر ان مفکرین سے ہوا جنہوں نے مسلمانوں کو ان کی مذہبی تعلیمات سے آشنا کیا اور ان کے اخلاقی طور پر پسماندہ معاشرتی حالات میں ایک نئی روشنی فراہم کی۔اس کے ساتھ ہی انہوں نے مسلمانوں کو یہ سمجھایا کہ ان کی تقدیر اور فلاح کا راستہ صرف اسلامی تعلیمات میں ہے۔ان کی اس فکری جدوجہد نے مسلمانوں کو ان کے انفرادی اور اجتماعی کردار کی اہمیت سے آگاہ کیا اور ان میں ایک نئی روحانیت اور اخلاقی اصلاح کی ضرورت کو اجاگر کیا۔ مفکرین کا آغاز کا دور اس بات کا غماز ہے کہ اسلامی اخلاقیات کی تشکیل کا عمل ایک مسلسل اور متوازی عمل تھا جس میں مفکرین نے اپنی فکری محنت اور جدوجہد کے ذریعے اسلامی تعلیمات کو مسلمانوں تک پہنچایا اور ان کے معاشرتی اور اخلاقی بحران کو حل کرنے کی کوشش کی۔ان مفکرین نے اس بات کی کوشش کی کہ مسلمان اپنی اصل شناخت اور اسلامی اصولوں کو اپنائیں تاکہ وہ نہ صرف فرداً فرداً بلکہ اجتماعی طور پر بھی کامیاب زندگی گزار سکیں۔یہ مفکرین اپنے معاشرتی اور فکری عمل کے ذریعے اسلامی اخلاقیات کی تشکیل میں ایک اہم سنگ میل ثابت ہوئے اور ان کی تعلیمات آج بھی مسلم معاشروں میں قابل عمل اور اہم سمجھی جاتی ہیں۔

مغل بادشاہ اکبر کی مذہبی پالیسیوں اور 'دینِ الٰہی' کا تجزیہ: ہم آہنگی یا انحراف؟

برصغیر پاک وہند میں اسلام کی آمد کے بعد، یہاں کے متنوع مذہبی اور ثقافتی ماحول نے مسلمانوں کے عقائد پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ خصوصاً ہندومت اور دیگر مقامی مذاہب کی موجودگی میں، اسلامی تعلیمات میں غیر اسلامی عناصر کی آمیزش کا خدشہ ہمیشہ موجود رہا۔ اس پس منظر میں، مسلم مفکرین اور علماء نے مسلمانوں کے عقائد کی تطہیر اور اصلاح پر خصوصی توجہ دی تاکہ توحید کی خالص تعلیمات کو برقرار رکھا جاسکے۔ مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر (1556ء- 1605ء) کے دورِ حکومت میں، اس کی مذہبی پالیسیوں نے خاصی توجہ حاصل کی۔ اکبر نے مختلف مذاہب کے مابین ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی اور اس مقصد کے تحت 1575ء میں فتح پور سیکری میں "عبادت خانہ" قائم کیا جہاں مختلف مذاہب کے علماء اور فلسفیوں کے درمیان مذہبی مباحثے منعقد ہوتے تھے۔ اکبر کی ان کوششوں کا نقطۂ عروج "دینِ الٰہی" کی تشکیل تھا، جو 1582ء میں متعارف کرایا گیا۔ یہ ایک اخلاقی نظام تھا جس میں مختلف مذاہب کے عناصر شامل کیے گئے تھے، جیسے کہ زرتشتیت سے روشنی اور آگ کی تقدیس، ہندومت سے سورج کے ہزار ناموں کا جاپ، اور تصوف سے خدا کی محبت پر زور۔ اس نظام میں جھوٹ، غیبت، اور تکبر جیسے گناہوں سے پرہیز اور تقویٰ، پرہیزگاری، اور نیکی جیسی خوبیوں کو اپنانے کی تلقین کی گئی تھی۔ تاہم، بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ "دینِ الٰہی" ایک منظم مذہب نہیں تھا بلکہ اکبر کی شخصیت کے گرد تشکیل پانے والا ایک نظام تھا جس کا مقصد مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا تھا۔ اس میں کوئی مقدس کتاب، مذہبی پیشوا، یا مخصوص عبادات نہیں تھیں۔ اکبر کی خواہش تھی کہ اس کے درباری اور قریبی افراد اس نظام کے پیروکار بنیں، لیکن اس کی پیروی کرنے والوں کی تعداد محدود رہی اور یہ تحریک اکبر کی

---

[1]ابو حامد غزالی، احیاء علوم الدین، مکتبہ دار الحکمۃ، 2000، صفحہ 120
Abu Hamid Al-Ghazali, Ihya Ulum al-Din, Maktabah Dar al-Hikmah, 2000, p. 120

[2]سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی ریاست، مکتبہ اسلامی، 1985، صفحہ 75
Syed Abul A‘la Maududi, The Islamic State, Maktabah Islami, 1985, p. 75

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X

Print ISSN: 3006-6921

وفات کے بعد ختم ہو گئی۔ اکبر کی مذہبی پالیسیوں اور "دینِ الٰہی" کی تشکیل پر مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ بعض مؤرخین کے نزدیک، اکبر کی یہ کوششیں مذہبی رواداری اور ہم آہنگی کی علامت تھیں، جبکہ دیگر کے نزدیک یہ اسلامی تعلیمات سے انحراف تھا۔ اس دور میں بعض علماء نے اکبر کی پالیسیوں کی مخالفت کی اور مسلمانوں کے عقائد کی حفاظت کے لیے جدوجہد کی۔ مثال کے طور پر، شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانیؒ نے اکبر کی مذہبی پالیسیوں پر تنقید کی اور اسلامی عقائد کی خالص شکل کو برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ مجموعی طور پر، اکبر کی مذہبی پالیسیوں اور "دینِ الٰہی" کی تشکیل کا مقصد برصغیر کے متنوع مذہبی ماحول میں ہم آہنگی پیدا کرنا تھا۔ تاہم، ان پالیسیوں کے اثرات اور ان کی کامیابی یا ناکامی پر مؤرخین کے درمیان اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ یہ بحث آج بھی جاری ہے کہ آیا اکبر کی یہ کوششیں مذہبی رواداری کی مثال تھیں یا اسلامی تعلیمات سے انحراف۔

ملا عبدالقادر بدایونی اپنی مشہور کتاب "منتخب التواریخ" میں لکھتے ہیں کہ:

در ہرکنے از ارکان دین و ہر عقیدہ از عقیدہ اسلامیہ چہ در اصول و چہ در فروع مثل نبوت و کلام ورؤیت وتکلیف وتکوین وحشر و نشر شبہات گونا گوں بہ تمسخر واستہزاء أوردہ "[3]

ارکان دین کے ہر رکن اور اسلامی عقائد کے ہر عقیدہ کے متعلق خواہ ان کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے مثلاً نبوت، مسئلہ کلام، دیدار الٰہی، انسان کا مکلف ہونا، عالم کی تکوین، حشر نشر وغیرہ کے متعلق تمسخر اور ٹھٹھے کے ساتھ طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کئے جانے لگے۔

اکبر کے دربار میں سورج کی پوجا کی جاتی، ستاروں اور سیاروں کی عظمت پر ایمان لایا گیا، بادشاہ نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ "اکبر خلیفہ اللہ کہنے پر لوگوں کے ساتھ اصرار کیا جائے اور اس کا ان کو مکلف ٹھہرایا جائے اور اس بات کا عام رعایا کو بھی پابند کیا جاتا تھا اور جو فرد اس نئے دین میں داخل ہونے کی تمنا کرنا اس کو ایک معاہدہ اس معاہدہ نامہ کا اقرار کرنا پڑتا۔

منکہ فلان بن فلان ہاشم بہ طلوع ورغبت وشوق قلبی ازین اسلام مجازی و تقلیدی کہ از پدران دیدہ و شنیدہ بودم ابراء و تبراء نمودم دور دین البي اکبر شابی درآمدم و مراتب چھارگانہ اخلاصکہ ترک مال و ترک جان و ناموس و دین باشد قبول کردم" [4]

منکہ فلاں بن فلاں ہوں، اپنی خواہش ورغبت اور دلی شوق کے ساتھ دین اسلام مجازی اور تقلیدی جو باپ دادوں سے سنا اور دیکھا تھا اس سے علیحدگی اور جدائی اختیار کرتا ہوں اور اکبر شاہی دین الٰہی میں داخل ہوتا ہوں اور اس دین کے اخلاص کے چاروں مرتبوں یعنی ترک مال ترک جان، ترک ناموس وعزت، ترک دین کو قبول کرتا ہوں۔

شاہی خطوط کے اوپر بسم اللہ کی بجائے اللہ اکبر لکھا کریں اور بادشاہ کی تصویر دی جاتی جو اپنی دستار میں لگاتے بادشاہ کے آگے سجدہ کا حکم دیا گیا، الغرض بادشاہ تو ذرہ سے لے کر آفتاب تک ہر چیز کا پجاری بن گیا تھا جس میں نفع وضرر کا پہلو کچھ بھی نمایاں ہوتا اور بادشاہ کے مرید علاوہ ان معبودوں کے خود اپنے پیر کو بھی پوجتے تھے، اسی مسجد کا نام "زمین بوس" رکھا گیا تھا۔

"مجدد الف ثانی نے اس عہد کے لوگوں کو ان کے عقائد کو درست کرنے پر آمادہ کیا اور عقیدہ توحید کا درست تصور پیش کیا اور رام اور رحیم کی یکجائی کے تصور کو ختم کیا" ہمارا اپنا تراشا ہوا اور بنایا خواہ ہاتھ کے ذریعے ہو خواہ عقل ووہم کے ساتھ، سب حق تعالیٰ کی مخلوق ہے اور عبادت کے لائق نہیں، عبادات کے لائق وہی خدا ہے، جس کے دامن ادراک سے ہماری عقل ووہم کا ہاتھ کوتاہ ہے اور ہماری کشف وشہود کی آنکھیں اس کی عظمت وجلال کے مشاہدہ سے خیرہ اور تباہ ہے ایسے خدائے بیچون و

---

[3] عبدالقادر بدایونی، *منتخب التواریخ* (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، 2005)، صفحہ 80۔

Abd al-Qadir Badayuni, *Muntakhab al-Tawarikh* (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2005), 80

[4] محمد ہاشم کشمی، *منتخب اللباب* (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1990)، صفحہ 510

Muhammad Hashim Kashmi, *Muntakhab al-Lubab* (Lahore: Idarah Thaqafat-e-Islamiyyah, 1990), p. 510.

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X

Print ISSN: 3006-6921

چگون کے ساتھ غیب کے طریق کے سواایمان میسر نہیں ہوتا، کیونکہ ایمان شہود حق تعالیٰ کے ساتھ ایمان نہیں ہے بلکہ اپنی تراشیدہ اور بنائی ہوئی چیز کے ساتھ ہے کہ وہ بھی حق تعالیٰ کی مخلوق ہے گویا ایمان شہود غیر کے ایمان کو حق تعالیٰ کے میان کے ساتھ شریک کرتا ہے بلکہ صرف بغیر ہے "[5]

جہانگیر کے زمانہ میں حضرت محمد دالف ثانی نے احیائے دین میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ شروع میں جہانگیر نے انہیں اسلامی اصلاح کی وجہ سے گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کر دیا۔ لیکن بعد میں حضرت مجدد الف ثانی کی کوشش اور عزم و حوصلہ نے اپنا رنگ دکھایا اور نتیجہ یہ ہوا کہ جہاتمیر نے نہ صرف آپ کو قید و بند سے رہا کروایا بلکہ شہزادہ خرم کو آپ کے استقبال کے لیے بھیجا۔ حضرت مجدد الف ثانی نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے پہلی ہی مجلس میں چند مطالبات پیش کیے:

- بادشاہ کے لیے تعظیمی سجدہ موقوف کیا جائے۔
- گاؤکشی کی عام اجازت دی جائے۔
- بادشاہ اور اعیان و امراء نماز باجماعت کی پابندی کریں۔
- عہدہ قضاۃ اور احتساب شرعی کے محکموں کی تجدید کی جائے۔
- تمام بدعات اور شرعی منکرات کو یکسر ختم کیا جائے۔
- غیر شرعی قوانین یک قلم منسوخ کیے جائیں۔
- شکستہ اور منہدم مساجد کی از سر نو تعمیر کی جائے۔

بادشاہ نے ان تمام کو منظور کیا اور حکم شاہی نافذ ہوا کہ ان پر عمل درآمد کرایا جائے۔ اس طرح تقریباً نصف صدی سے اسلام جو ہندوستان میں حیات و موت کی کشمکش کا شکار ہو رہا تھا اس سے نجات ملی اور مسلمانوں نے اطمینان کا سانس لیا۔[6] عالم اسلام کے نامور مشکر علامہ اقبال نے بھی اپنی شاعری اور اپنے افکار میں عقیدہ توحید کی مظبوطی پر زور دیا۔

مجدالف ثانیؒ کی تحریروں میں شرک کی روک تھام اور اسلامی عقائد کی حفاظت

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا ماحول ہندومت کے زیر اثر تھا، اور یہ اثرات ان کے مذہبی عقائد پر گہرے اثرات ڈال رہے تھے۔ خاص طور پر جلال الدین اکبر کے دور حکومت میں اور اس کے بعد بھی، مسلمانوں میں شرک کی مختلف شکلیں بڑھ گئیں تھیں۔ اس دور میں مسلمانوں کے عقائد میں غیر اسلامی عناصر کی آمیزش نے انہیں اسلامی تعلیمات سے منحرف کیا، اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ یہ شرک کے عناصر اسلامی عقیدے کے خالص تصور کو متاثر کر سکتے ہیں۔ مفکرین اور علماء نے اس صورت حال کا نوٹس لیا اور اس کے سدباب کے لیے اپنی تعلیمی کاوشوں میں اس پر خصوصی توجہ دی۔ مجدالف ثانیؒ، جو کہ ایک عظیم اسلامی مفکر اور فقیہ تھے، نے اپنی تحریروں میں اس بات کا بار بار ذکر کیا کہ اہل ہنود کے ساتھ مسلمانوں کی قربت اور ان کی بعض رسومات کی نقل نے مسلمانوں میں شرک کے اثرات کو بڑھا دیا تھا۔ مجددالف ثانیؒ نے یہ فرمایا کہ مسلمان ایسے عقائد میں مبتلا ہو گئے تھے جن میں مختلف قسم کے ممنوع استمداد اور رسموں کا پھیلاؤ تھا، جن سے اسلامی عقیدہ متاثر ہو رہا تھا۔ انہوں نے خاص طور پر اس بات پر زور دیا کہ مسلمانوں کی بعض خواتین نے ہندوؤں کے مذہبی دنوں کو عزت دی اور ان کے رسموں کو اپنایا۔ ان رسموں میں سے ایک وہ تھی جس کے تحت مسلمان خواتین اپنے گھروں میں ہندوؤں کی عیدوں اور مخصوص تقاریب کی تقلید کرتی تھیں اور ان دنوں میں اپنے گھروں کی صفائی ستھرائی اور بعض اوقات "مشابرتنوں" کو رنگ کران پر سرخ چاول بھر کر بھیجنا، جو کہ ایک ہندو رسم تھی۔ ان تمام عبادات کو مجددالف ثانی نے شرک کے مترادف سمجھا اور اس سے مسلمانوں کو آگاہ کیا۔

---

[5] *مکتوبات مجددالف ثانی*، دفتر سوم، جلد 3، مکتوب نمبر 345، صفحہ 9۔
Shaykh Ahmad Sirhindi, *Maktubat Mujaddid Alf Sani*, Daftar III, vol. 3, letter no. 345 (Lahore: Idarah Islamiyat, 2003), p. 9.

[6] ندوی ابوالحسن علی، مسلمانوں کا عروج و زوال، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنو، 1981ء، ص:322
Abul Hasan Ali Nadwi, The Rise and Fall of Muslims (Lucknow: Majlis Tahqiqat wa Nashriyat-e-Islam, 1981), p. 322.

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

مجدد الف ثانیؒ نے یہ بھی ذکر کیا کہ کچھ مسلمان، جن میں خاص طور پر خواتین شامل تھیں، پیروں اور بزرگوں کی نیت کرتے ہوئے روزے رکھتے تھے اور ان روزوں کو حاجات کے پورا ہونے کے لیے ایک وسیلہ سمجھتے تھے۔ان کے نزدیک یہ روزے اللہ کے بجائے کسی اور کی رضا کے لیے تھے، جس کا مفہوم بھی شرک کی صورت اختیار کرتا تھا۔اسی طرح، مسلمانوں کے درمیان کچھ ایسی رسمیں رائج ہو گئی تھیں جن میں جنات کے ذبیحے کو بھی معقولیت سمجھا جاتا تھا اور قبروں پر جانوروں کی قربانی دینا بھی ایک عام عمل بن چکا تھا۔ مجدد الف ثانیؒ نے اپنی تحریروں میں ان تمام اعمال کی مذمت کی اور ان پر زور دیا کہ ان تمام غیر اسلامی رسومات کو ترک کر دیا جائے۔ان کا کہنا تھا کہ یہ تمام اعمال دین اسلام کے خالص تصور کے خلاف ہیں اور ان کی روک تھام کی ضرورت ہے۔اس ضمن میں، انہوں نے اسلامی تعلیمات کو مستند طور پر پیش کیا اور مسلمانوں کو ان خطرات سے آگاہ کیا۔[7]

اس حوالے سے مختلف کتابوں میں ان کی تحریروں اور بیانات کا ذکر کیا گیا ہے۔ایک اہم کتاب "مکتوبات امام ربانی" میں مجدد الف ثانیؒ نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔اس کتاب میں انہوں نے مسلمانوں کو ان شرکیہ اعمال سے بچنے کی تاکید کی اور واضح کیا کہ ان رسموں کی پیروی کرنے سے ایمان میں نقص آ سکتا ہے۔ یہ کتاب ایک علمی دستاویز کے طور پر آج بھی موجود ہے اور اس میں مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات اور فتویٰ جات شامل ہیں جو مسلمانوں کی اخلاقی و دینی رہنمائی کا ایک مستند ذریعہ سمجھی جاتی ہیں۔

قرآن مجید کی تعلیمات کی اشاعت اور شاہ ولی اللہ دہلوی کا کردار

برصغیر پاک و ہند میں اسلامی تعلیمات کی اشاعت کے دوران قرآن مجید اور اس کی تعلیمات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی اہمیت پر مسلم مفکرین نے خصوصی توجہ دی۔ مسلمانان ہند کے لیے قرآن پاک کی تعلیمات کا ترجمہ فارسی اور پھر اردو میں کرنا ایک سنگ میل ثابت ہوا۔ قرآن مجید کو اپنی اصل زبان عربی میں پڑھنا ایک قدیم تصور تھا جو ہندوستان میں موجود تھا، خاص طور پر ہندومت کے اثرات کے سبب بعض حلقوں میں یہ تصور رائج تھا کہ قرآن کو عربی میں پڑھنا ضروری ہے، لیکن شاہ ولی اللہ نے اس نقطہ نظر کے برخلاف قرآن کے ترجمے کی ضرورت پر زور دیا تاکہ عوام تک اللہ کا پیغام آسانی سے پہنچ سکے۔ان کے نزدیک قرآن کی تفہیم کے لیے اس کا ترجمہ اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنا ضروری تھا تاکہ لوگ اپنی دینی ذمہ داریوں کو بہتر طور پر سمجھ سکیں اور ان پر عمل کر سکیں۔[8]

شاہ ولی اللہ نے قرآن کے ترجمے کی اہمیت پر کئی بار زور دیا اور یہ بات واضح کی کہ قرآن ہی مسلمانوں کے لیے ہدایت کا واحد ذریعہ ہے۔ان کا یہ ماننا تھا کہ قرآن کی تعلیمات پر عمل کر کے مسلمان اپنی زندگیوں میں انقلاب لا سکتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ قرآن مجید میں انسانیت کے لیے تمام مسائل کا حل موجود ہے، اور اس کی تعلیمات میں اعتقادی، اخلاقی، شرعی اور معاشرتی ہدایات شامل ہیں جو انسان کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے ضروری ہیں۔اسی وجہ سے انہوں نے قرآن کے فہم اور تدبر کی جانب مسلمانوں کی توجہ مبذول کرائی، خاص طور پر بچوں کے لیے انہوں نے نصیحت کی کہ انہیں قرآن کے معنی اور مفہوم سے واقفیت ہو تاکہ یہ نقوش ان کے ذہنوں پر نقش ہو جائیں۔[9]

مسلمانان ہند کے "احوال واقعی" شاہ ولی اللہ کے سامنے تھے، عالم اسلام کے حالات سے بھی وہ بے خبر نہ تھے کہ حجاز مقدس میں ایک سال سے زیادہ عرصہ گزار آئے تھے جہاں سید ابوالحسن کے بقول "اس زمانے کے عالم اسلام کے دل کی دھڑکنیں سنی جا سکتی تھیں۔[10]

---

[7] مجدد الف ثانی، "مکتوبات امام ربانی"، مکتبہ قدیمی، 2001، ص 182
Mujaddid Alf Sani, *Maktubat Imam Rabbani* (Lahore: Maktabah Qadimi, 2001), p. 182

[8] شاہ ولی اللہ دہلوی، "حجۃ اللہ البالغہ"، مکتبہ قدیمی، 1997، ص 101
Shah Waliullah Dehlavi, Hujjat Allah al-Balighah (Lahore: Maktabah Qadimi, 1997), p. 101

[9] مودودی، ابوالاعلی، قرآن کی چار بنیادی اصلاحات اسلامک پبلی کیشنز، لاہور 1987ء، ص 59
Abul A'la Maududi, *The Four Basic Quranic Terms* (Lahore: Islamic Publications, 1987), p. 59

[10] ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، جلد 4 (لکھنو: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، 1999)، صفحہ 210

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

اپنے دور میں انہوں نے ملت اسلامیہ کی اصلاح احوال کی درستگی کے لئے اس نسخہ شفا کو تجویز کیا ہے مسلمانان ہند فراموش کے بیٹھے تھے انہوں نے مسلمانوں کے لئے یہی نسخہ قرآن " تجویز کیا، اس کے فہم اور تدبر کی طرف توجہ دلائی، بچوں کے لئے تو خاص طور پر نصیحت فرمائی کہ ابتدائی دور عمر ہی میں اگر وہ اس کے معنی و مفہوم سے ایک مرتبہ گذر جائیں تو یہ نقوش ان کے لوح ذہن پر ہمیشہ مرتسم رہیں گے خود اپنے مدرسے میں انہوں نے طالب علموں کے لئے تعلیم قرآن کا جو طریقہ اختیار کیا اس کو اپنی وصیت میں بھی اس طرح بیان کیا۔ قرآن کا درس اس طرح دیں کہ صرف قرآن پڑھائیں، بغیر تفسیر کے ساتھ ساتھ ترجمہ کرتے جائیں، جہاں کوئی نحو یا شان نزول کا مشکل مسئلہ آئے، وہاں ٹھہریں اور پر بحث کریں، درس سے فارغ ہونے کے بعد درس میں جتنا قرآن پاک پڑھا گیا ہو اس کی مقدار کے مطابق جلالین پڑھائیں ، اس طرح پڑھنے میں بڑے فائدے ہیں "

آپ تلاوت تفکر اور تدبر کے ذریعے قرآن سے جوڑنا چاہتے تھے اور آپ نے الفوز الکبر و اصول تغییر لکھ کے مسلمانوں کے معاشرتی اور اخلاقی مسائل کی نشاندہی کی اور ان کا حل قرآنی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیا آپ نے ترجمہ قرآن لکھ کر مسلمانوں پر جو احسان کیا اس کا بدلہ وہ تا قیامت نہیں چکا سکتے، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ کے افکار میں جا بجا اس بات کا تذکرہ نظر آتا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے امتزاج سے اسلام کا وہ منظر د نظام حیات تشکیل پاتا ہے جو اخلاق حسنہ کی محض آبیاری نہیں کرتا بلکہ اس کے لئے محرک بھی بنتا ہے آپ اخلاقی اصولوں کو بیان کرنے کے لئے سب پہلے قرآن سے استفادہ کرتے نظر آتے ہیں اور علامہ اقبال کے نزدیک بھی قرآن وحدیث ہی سے اصلاح امت کا کام لیا جاسکتا ہے، اور اسی غرض کے لئے مسلم مفکرین نے قرآن کی تفاسیر بھی لکھیں تاکہ مسلمان قرآن کے مدعا کو باآسانی سمجھ سکیں اور زندگی میں درپیش مسائل کو قرآن کی روشنی میں ہی حل کر سکیں، سر سید احمد خان، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، مولانا سید الاعلی مودودی، ابوالحسن علی ندوی وغیرہ ان سب مفکرین نے قرآن کو ہی تربیت کی اولین بنیاد بنایا ہے۔ یہ تمام مفکرین قرآن کو مسلمانوں کی اخلاقی تربیت کا اولین وسیلہ مانتے تھے اور ان کا یقین تھا کہ قرآن مجید کی تعلیمات کو زندگی میں عملی طور پر اپنانا ہی مسلمانوں کے لیے کامیابی کی کلید ہے۔ ان مفکرین کی کوششوں نے نہ صرف قرآن کی تعلیمات کو واضح کیا بلکہ مسلمانوں کی زندگی میں اخلاقی انقلاب کی بنیاد بھی ڈالی۔

اتباع سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور امت مسلمہ کی تشکیل

برصغیر میں مسلمانوں نے ہندوانہ رسومات کے برعکس، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فروغ دینے کی بھرپور کوشش کی۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے، کیونکہ اخروی نجات اور ابدی فلاح سید الاولین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی سے وابستہ ہے۔ اس کے ذریعے ہی ایک مسلمان اللہ کے قریب پہنچتا ہے اور اس کی متابعت کے ذریعے سے اسے درجہ محبوبیت حاصل ہوتا ہے۔ جب ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل پیروی کرتا ہے تو اسے ایک ایسا مرتبہ ملتا ہے جو تمام مراتب کمال سے بلند ہے۔ یہ مقام محبوبیت کا حصول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے ذریعے ممکن ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آئین حیات دیا، وہ ہر دور میں مسلمانوں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ رہا ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری میں اس آئین کی تشریح بہت بار ملتی ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری میں یہ بار بار ذکر کیا کہ مسلمانوں کی عزت و آبرو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہے۔ اقبال کے مطابق، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دنیا میں زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھایا، یہ سکھایا کہ انسانوں کے آپس میں کیا حقوق ہیں، اللہ کے کیا حقوق ہیں، اور انسان کو کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ معاملات طے کرنے چاہئیں۔ اقبال کی شاعری کی وجہ سے امت مسلمہ بالخصوص نوجوانوں میں حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لہر پیدا ہوئی اور وہ اس بات کو سمجھنے لگے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آئین حیات دیا، وہ ہر دور میں انسانیت کی رہنمائی کرتا ہے۔[11]

Abul Hasan Ali Nadwi, *Tarikh-e-Dawat-o-Azimat*, vol. 4 (Lucknow: Majlis Tahqiqat wa Nashriyat-e-Islam, 1999), p. 210.

[11] علامہ اقبال، " بانگ درا"، مکتبہ قدیمی، 2001، ص 150

Allama Muhammad Iqbal, *Bang-e-Dra* (Lahore: Maktabah Qadimi, 2001), p. 150.

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X

Print ISSN: 3006-6921

یہ بات بھی اہم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غار حرا میں خلوت اختیار کرنے کے بعد ایک قوم بنائی، ایک حکومت قائم کی، اور دین کے اصولوں پر مبنی ایک آئین تیار کیا جس نے دنیا میں دین و دنیا کے ربط کو واضح کیا۔ اقبال نے یہ بیان کیا کہ دین اور دنیا الگ الگ چیزیں نہیں ہیں، بلکہ دین انسانوں کے لیے دنیا کے دروازے کو کھولنے کا ذریعہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں رہنے کا سلیقہ سکھایا اور اس کے ذریعے انسانوں کو ایک بہتر زندگی گزارنے کا طریقہ بتایا۔ تعمیر فرد کے لیے سب سے ضروری چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی ہے۔ اقبال کے نزدیک فرد کی ذات اور معاشرتی تہذیب و ترقی کے لیے یہ پیروی انتہائی ضروری ہے۔ اقبال نے کہا کہ معراج انسانیت حاصل کرنے کے لیے ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنی ہو گی، اور اس کے لیے ایک مکمل یقین کی ضرورت ہے تاکہ انسان اپنی زندگی کے مقصد کو پورا کر سکے۔ تمام مفکرین اسلام نے مسلمانوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی اہمیت کو اجاگر کیا اور اس بات پر زور دیا کہ مسلمانوں کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ کرنا چاہیے، نہ کہ ان راستوں پر چلنا چاہیے جو سنت کے مخالف ہوں۔ ان مفکرین کا یہ مقصد تھا کہ امت مسلمہ کے افراد اپنی زندگیوں میں ان اصولوں کو اپنائیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے اور ان کی روشنی میں اپنے معاشرتی و اخلاقی مسائل حل کریں۔

تصوف کی اصلاح اور اسلامی تصوف کی حقیقت

تصوف کی اصلاح کے حوالے سے تمام مسلم مفکرین کا موقف یہ رہا کہ تصوف کو شریعت کے تابع رکھا جائے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ مسلمان اپنے معاشرتی اور مذہبی ماحول میں ہندو معاشرتی اثرات سے بچ سکیں، جن میں شخصیت پرستی اور مذہبی پروہیت کی حکمرانی تھی۔ ہندومت میں پنڈت اور جوگی اپنے آپ کو مذہب کے نمائندے سمجھتے تھے اور لوگوں کو مقدس ہستیوں تک پہنچنے کے لیے ان کی عبادت یا تعلق کا محتاج قرار دیتے تھے، جبکہ اسلام میں ہر فرد کو اللہ کے قریب جانے اور اپنی روحانی تکمیل کے لیے براہ راست رابطہ کا حق حاصل ہے۔ اس وجہ سے اسلام میں ایسا کوئی تصور نہیں تھا جس میں اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لیے کسی درمیانی شخصیت کی ضرورت ہو۔

مسلم تصوف بھی ہندوانہ اثرات سے متاثر ہوا تھا، خاص طور پر وہ آلائشیں جو شرک، فلسفیانہ گمراہی اور راہبانہ طرز زندگی کے نتیجے میں اس میں سرایت کر گئیں۔ شاہ ولی اللہ نے اس تصوف کے چشمے کو صاف کر کے اسلام کا اصلی اور صحیح تصوف پیش کیا۔ انہوں نے تصوف کی اصل روح کو اجاگر کیا جو شریعت کی پابندی میں چھپی ہوئی تھی۔ شاہ ولی اللہ کے مطابق، اسلامی تصوف کا مقصد انسان کو اللہ کے قریب لے آنا اور اسے تقویٰ، طہارت اور عبادت کے ذریعے روحانی صفائی عطا کرنا تھا۔ اس کے لیے شریعت اور تصوف کی ایک گہری وابستگی تھی، اور ان کا یہ نظریہ تھا کہ روحانی ترقی کا حقیقی راستہ شعائر اسلام کی پابندی سے گزرتا ہے، جس سے انسان کی روح کو وہ تربیت ملتی ہے جس سے اسے اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔[12]

جو تصوف شاہ ولی اللہ نے پیش کیا وہ بجائے خود اپنی نوعیت کے اعتبار سے اسلام کا اصلی تصوف ہے اور اس کی نوعیت احسان سے مختلف نہیں ہے۔[13] ارکان اسلام کی پابندی مسلمانوں کا امتحان ہے اور دراصل اس کا نام اسلامی تصوفی ہے کیونکہ شعائر اسلام کی پابندی سے روح کو وہ تاریخی تربیت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس میں تقبل الی اللہ کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے"۔[14] شریعت اور طریقیت (اسلامی تصوف) کی وابستگی کا اظہار آپ کے اس بیان سے بھی ہوتا ہے کہ خالص اسلامی تصوف یہ ہے کہ احکام الٰہی انسان کی اپنی ذات کے احکام بن جائیں یہ بات کسی کو نہیں معلوم کہ مومن قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن "اقبال کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تصوف میں سرود، موسیقی اور رقص کے مخالف تھے "سرود و حرام" کے عنوان سے اقبال لکھتے ہیں کہ :

---

[12] حضرت مجدد الف ثانی، *مکتوبات امام ربانی*، صفحہ 670

Mujaddid Alf Sani, *Maktubat Imam Rabbani*, p. 670

[13] محمد دین فوق، *تذکرۂ اقبال* (لاہور: بزم اقبال، 1988)، صفحہ 258

Muhammad Din Fauq, *Tazkira-e-Iqbal* (Lahore: Bazm-e-Iqbal, 1988), p. 258.

[14] فوق، محمد دین، منشی تذکرہ اقبال بزم اقبال لاہور 1988 ص 258

. Muhammad Din Fauq, *Munshi Tazkira-e-Iqbal* (Lahore: Bazm-e-Iqbal, 1988), p. 258.

نہ میرے ذکر میں ہے صوفیوں کا سوز سرور — نہ میرا فکر ہے پیمانہ ثواب وعذاب
خدا کرے کہ اسے اتفاق ہو مجھ سے — فقیہہ شہر کہ ہے محرم حدیث وکتاب
اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام حرام — میری نگاہوں میں نائے وچنگ ورباب[15]

اس مراد یہ ہے کہ جس موسیقی سے قوم میں بے عملی پروان چڑھے وہ ہر حالت میں حرام ہے اپنی نظم "سرود و حرام" میں اسی باکا اظہار کرتے ہیں کہ نغمہ گانے والے کے اونچے نیچے سروں تھوڑی دیر کے لئے دل تو ثقافتہ ہو جاتا ہے لیکن یہ شگفتگی پائیدار نہیں لہذا نغمہ گانے والے کی طرف توجہ نہ دینی چاہیے، ان گانوں کی بجائے نغمہ توحید گایا جائے جو آدمی کو غم اور آلائش سے پاک کرتا ہے بدنی رقص اور رقاصی کے بھی قائل نہ تھے اپنی شاعری میں اس کی جابجا مذمت کرتے ہیں، آپ کی ایک نظم کا عنوان ہے "مرد بزرگ اس میں بھی آپ نے مرد مومن کے اوصاف بیان کئے ہیں جو کہ شریعت اور طریقیت کا حسین امتزاج ہے، مومن کی نفرت اور محبت اللہ تعالی کے احکامات کے تابع ہوتی ہے، شمع محفل کی طرح سب سے جدا ہوتا ہے مگر روشنی سے منور سب کو کرتا ہے۔

بدعات کا خاتمہ اور اصلاح معاشرت:

تمام مسلم مفکرین کی اصلاحی کاوشوں کا بنیادی مقصد معاشرتی خرابیوں کو دور کرنا اور اخلاقی اقدار کی اصلاح تھا۔ یہ خرابیاں زیادہ تر ہندو معاشرتی اثرات کی وجہ سے مسلمانوں میں در آئیں تھیں۔ ان مفکرین نے ان خرابیوں کی نشاندہی کی اور انہیں ختم کرنے کے لیے نہ صرف عملی کوششیں کیں بلکہ قلمی جہاد کے ذریعے لوگوں میں شعور اجاگر کرنے کی سعی و کوشش کی۔ ان اصلاحی کوششوں میں سب سے پہلے جو مسائل اہمیت رکھتے تھے، ان میں سے ایک یہ تھا کہ مسلمانوں میں نکاح کی صحیح سنت کو ترک کر دیا گیا تھا۔ یہ مسئلہ خاص طور پر اس بات کی طرف اشارہ کرتا تھا کہ مسلمانوں میں نکاح کے حوالے سے جمود آ چکا تھا اور لوگوں نے شادی کے نظام کو پیچیدہ اور اس میں غیر ضروری رسوم ورواج ڈال دیے تھے۔ اس کے علاوہ، ایک اور سنگین مسئلہ یہ تھا کہ مسلمانوں میں مہر کی مقدار بڑھادی گئی تھی جو کہ سنت کے خلاف تھا اور خانہ بربادی کا باعث بن رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی خوشی اور غم کے مواقع پر اسراف کی عادت عام ہو گئی تھی، جس کے نتیجے میں مسلمان غربت کا شکار ہو رہے تھے۔[16]

"معاشرتی رسموں کے اعتبار سے بھی مسلمانوں اور ہندوؤں میں کوئی بڑا فرق نہ تھا، اسلام کی تعلیم یہ تھی کہ خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرو، لیکن بھوت پریت کے ڈر اور دوسرے واہموں سے زندگی کا سکون تلف ہو رہا تھا، ہندوؤں میں نکاح بیوگان پاپ سمجھا جاتا تھا مسلمانوں میں بھی نکاح ثانی برا سمجھا جانے لگا، شادی بیاہ اور تجہیز و تکفین کے متعلق اسلامی احکام نہایت سادہ، معقول اور دینی و دنیاوی بھلائی پر مبنی تھے، لیکن مقامی اثرات سے ان کی جگہ ایسی خلاف شرع رسموں نے لے لی تھی، جن میں فضول خرچی، تصنع او قات اور دوسری بیبیوں قباحتیں تھیں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے زمانے میں مروج صرف پیدائش، شادی اور وفات کی رسومات کا جائزہ لیا ہے جن کی تعداد سو تک پہنچ گئیں۔[17]

جب بر صغیر میں مسلمانوں کا دور حکمرانی ختم ہوا (1857ء) تو یہاں اسلامی دور کا بھی خاتمہ ہو چکا تھا، مسلمانوں کی اخلاقی وروحانی کمزوریوں پر جو پردہ پڑا ہوا تھا وہ اٹھ گیا، دنیوی حکومت اور اقتدار کا معاملہ عجیب ہے، اس سے بہت سے عیب چھپ جاتے ہیں اور کئی برائیاں تو خوبیوں کا رنگ اختیار کر گئیں تھیں، لیکن جب مسلمانوں کا اقتدار اور جاہ و جلال رخصت ہونے لگا تو ان کی کوتاہیاں اور خرابیاں روز روشن کی مانند نظر آنے لگی مجدد الف ثانی، امام الہند شاہ ولی اللہ، علامہ اقبال، ابوالاعلیٰ مودودی، ابو

---

[15] علامہ محمد اقبال، *کلیات اقبال (اردو)*، صفحہ 190۔

Allama Muhammad Iqbal, *Kulliyat-e-Iqbal (Urdu)*, p. 190

[16] موج کوثر، ص 14

Mauj-e-Kausar, p. 14.

[17] تھانوی اشرف علی، اصلاح رسوم مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن، ص 106

Ashraf Ali Thanvi, *Islah-e-Rusoom* (Lahore: Maktabah Rahmaniyyah, n.d.), p. 106.

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X

Print ISSN: 3006-6921

الحسن علی ندوی، سید سلیمان ندوی، شبلی نعمانی وغیر وسب مفکرین نے ان خرابیوں کی نشاندہی کی اور اصلاح کے لئے آگے بڑھے اور انہیں کاوشوں کے سبب اسلام ان آلائشوں (بدعات) سے پاک ہو کر آج کی نسل تک پہنچا۔

شاہ ولی اللہ کی اصلاحات: اخلاقی احیاء اور اسلامی اصولوں کا تحفظ

ہر معاشرے کی ترقی کا انحصار وہاں کی قوم کی اخلاقی حالت پر ہوتا ہے، کیونکہ اخلاق کی بلندی یا پستی ہی کسی قوم کے مقام کا تعین کرتی ہے۔ جو قومیں اخلاقی اصولوں کی پابندی نہیں کرتی، وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ معاشرتی اقدار اور اخلاقیات دراصل افراد کے اخلاق کا عکاس ہیں، جو کسی بھی معاشرے کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ جب کسی معاشرے کا ضابطہ اخلاق ناقص ہو اور اس میں توازن کا فقدان ہو، تو اس کا اثر معاشرتی اور روحانی طور پر پوری قوم پر پڑتا ہے۔ اگر کسی معاشرتی نظام میں افراط و تفریط کا عنصر غالب ہو، تو وہ معاشرہ فساد کا شکار ہو جاتا ہے۔ مغلیہ سلطنت کا زوال ایک بڑی حد تک معاشرتی نظام کی فرسودگی کا نتیجہ تھا، اور یہ فرسودگی دراصل معاشرتی اخلاق کی کمزوری کی وجہ سے تھی۔ مغلیہ دور میں معاشرتی اخلاقی معیار میں جو کمزوری اور غفلت آئی، اس نے اس معاشرتی نظام کی بنیادوں کو کمزور کر دیا۔ اس کے نتیجے میں معاشرتی اور روحانی بیماریوں نے جنم لیا، جو سلطنت کے زوال کا باعث بنی۔[18]

شاہ ولی اللہ کی کاوشیں اس اخلاقی احیاء کے لیے نہایت اہم ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے اخلاقی اور قومی نظام میں جو بگاڑ آ چکا تھا، اس کی اصلاح کے لیے کئی اہم اقدامات کیے۔ شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کو اسلامی اصولوں کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کی تعلیم دی اور ان اصولوں کی پختگی کے لیے تدابیر اختیار کیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان ان مقامی اثرات سے بچ کر اپنی علیحدہ ہستی کو برقرار رکھیں۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک، مسلمانوں کی فلاح اس بات میں تھی کہ وہ اسلامی اصولوں اور قدروں کو اس کی خالص ترین شکل میں اپنائیں اور مقامی معاشرتی اثرات سے ان کو آلودہ نہ ہونے دیں۔ شاہ ولی اللہ کے اس پیغام میں ایک گہری بصیرت اور سوچ موجود تھی، جس کے ذریعے انہوں نے اسلامی اصولوں کو مسلمانوں کی زندگی کا حصہ بنایا اور ان میں اخلاقی اور روحانی بیداری پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ان کی اصلاحات نے مسلمانوں میں نہ صرف اسلامی تعلیمات کے حوالے سے آگاہی پیدا کی، بلکہ انہیں ان اخلاقی برائیوں سے چھٹکارا پانے کا راستہ بھی دکھایا جنہوں نے ان کے معاشرتی نظام کو درہم برہم کر دیا تھا۔[19]

ان کی رائے میں مسلم معاشرے کی صحت کا تقاضا یہ تھا کہ اسلامی اصولوں اور قدروں کو ان کی خالص پاکیزگی کے ساتھ قائم رکھا جائے اور خارجی اثرات سے آلودہ نہ ہونے دیا جائے، وہ اس سلسلے میں اس قدر دقیقہ رسی تھے کہ سطحی رسوم التیار کرنے کو بھی پسند نہیں کرتے تھے، وہ مسلمانوں کی علیحدہ ہستی کو برقرار رکھنے کے لئے بے چین تھے، اس لئے وہ لباس میں بھی مقامی قطع وضع کو اختیار کرنے کے خلاف تھے وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان یہاں کے عام ماحول کا ایک جزو بن کر رہ جائیں، وہ چاہتے تھے کہ دنیا اسلام سے ان کے تعلقات برقرار رہیں تاکہ ان کے وجدان اور بلند اصولوں کا سرچشمہ اسلام اور ایک عالمی ملت کی اسلامی روایات رہیں۔[20]

مفکرین اسلام کی نظر میں مسلمانوں کے زوال کے اسباب اور اس کی اصلاح

اسلامی مفکرین نے مسلمانوں کے زوال کے اسباب کی گہری تلاش کی اور اس بات کا ادراک کیا کہ ان اسباب کا حل صرف معاشرتی، اقتصادی اور اخلاقی اصلاحات میں پوشیدہ ہے۔ اس ضمن میں شاہ ولی اللہ اور دیگر مفکرین نے مسلمانوں کی حالتِ زار کو سمجھنے اور اس کی اصلاح کے لئے ضروری تدابیر پر زور دیا۔ ان مفکرین نے سب سے پہلے معاشرتی تباہی کی وجوہات کو تشخیص کیا، جس میں ایک اہم وجہ یہ تھی کہ بہت سے افراد نے اپنے آپ کو محض بیت المال سے رزق حاصل کرنے کے لائق سمجھا

---

[18] شاہ ولی اللہ، "حجۃ اللہ البالغہ"، مطبع اسلامیہ، 1997، ص 52

Shah Waliullah, *Hujjat Allah al-Balighah* (Delhi: Matba‘ Islamiya,1997), p. 52.

[19] ندوی، ابوالحسن علی، البلاغ المبین، مجلس نشریات اسلام، 1986ء، ص89

Abul Hasan Ali Nadwi, *Al-Balagh al-Mubin* (Lucknow: Majlis Nashriyat-e-Islam, 1986), p. 89

[20] ولی اللہ وصیت نامہ لکھنؤ 1260ھ، ص7

Shah Waliullah, *Wasiyyat Nama* (Lucknow, 1260 AH), p. 7.

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X

Print ISSN: 3006-6921

تھا،اورانہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو ترک کر کے معاشرتی مفادات کے بجائے اپنے ذاتی مفادات کو ترجیح دی تھی۔ یہ افراد معاشرتی ضروریات کو نظرانداز کر کے اپنے آپ کو اہل علم، درباری شعراء یا سلاطین کے انعامات کا مستحق سمجھتے تھے، حالانکہ ان کی حقیقت میں کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان افراد کا تمام معاشی بوجھ بیت المال پر پڑ رہا تھا اور وہ اس پر ناجائز بوجھ ڈال رہے تھے۔[21]

ان مفکرین نے اس صورتحال کا تذکرہ کیا کہ جب معاشرے کا طبقہ صرف اپنی ذاتی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بیت المال کا سہارا لیتا ہے اور ان سے نہ حکومت کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے نہ معاشرے کو، تو یہ ایک خرابی ہے جسے فوری طور پر دور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ایسی افراد سے نجات حاصل کرنا ملک و قوم کے مفاد میں ہے تاکہ قوم کے وسائل کا بہتر استعمال ہو سکے اور اس کے ساتھ ساتھ معاشرتی نظام میں توازن قائم ہو۔ یہ مفکرین اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ اس طرح کی خرابیوں کا سدباب ایک مسلسل جدوجہد کا متقاضی ہے، جس میں نہ صرف معاشی اصلاحات کی ضرورت ہے بلکہ ان افراد کی فکری سطح پر بھی تبدیلی لانا ضروری ہے جو صرف ذاتی مفادات کو مقدم سمجھتے ہیں۔ اس کے لئے شاہ ولی اللہ اور دیگر مفکرین نے دینی تعلیمات اور اسلامی اصولوں کو اس اصلاح کی بنیاد بنایا تاکہ مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں توازن، اخلاقی معیار اور روحانی بہتری پیدا کی جا سکے۔ اس موضوع پر شاہ ولی اللہ کی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" اور دیگر معتبر تصانیف میں ان اصلاحات کی تفصیل اور ان کے اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان مفکرین کی جدوجہد نے اسلامی معاشرت کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی، جس میں ہر فرد کی ذمہ داری اور حقوق کا درست تعین کیا گیا۔ ان کا مقصد ایک ایسی جماعت کی تشکیل تھا جو نہ صرف دینی بلکہ دنیاوی لحاظ سے بھی کامیاب اور متوازن ہو۔

خرابیوں کی نشاندہی کی گئی اور بتایا گیا کہ بہت ساری خرابیوں کی جڑ تمدن کی خرابی ہے "دوسری خرابی موجودہ تمدن کی یہ ہے کہ زمین داروں اور کاشت کاروں اہل صنعت و حرفت اور تجارت پر حکومت نے بڑے بھاری ٹیکس لگا رکھے ہیں اور پھر ان کی وصولی کے لئے عوام پر تشدد کیا جاتا ہے اور عوام کے جاتے ہیں اور دو ٹیکسوں کے بوجھ تلے دیتے چلے جاتے ہیں اور ان کی حالت زبوں سے زبوں تر ہوتی چلی جاتی ہے اور اس مطیع اور فرمانبردار طبقہ کے مقابلے میں رعیت کا ایک فریق ہے جس نے حکومت کے اور اس ناجائز بوجھ اور اعمال کے نشہ دے تلک آ کر باغیانہ رویہ اختیار کر رکھا ہے کیونکہ وہ اپنے میں یہ طاقت محسوس کرتا ہے کہ وہ حکومت ناجائز تشدد کا مقابلہ کر سکے گا تمدن کی بہر کیف بہتر صورت یہ ہے کہ رعایا پر خفیف ٹیکس لگائے جائیں اور ان کے حقوق کا پورا خیال رکھیں۔

تمام م مفکرین نے مسلمانوں کے اندر موجود خرابیوں کا جائزہ لیا ان کی نشاندہی کی اور مسلم حکمرانوں اور طبقہ امراء کے اندر کمزوریوں اور خامیوں کی نشاندہی کی ان کے نقائص کا جائزہ لیا جس کی وجہ سے وہ ذلت اور پستی کا شکار ہوتے چلے جا رہے تھے۔ اس دور کے دینی ادب پر اگر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ نے دین کی تفہیم اور توضیح کے باب میں جو کوشش کی تھی وہ مجموعی طور پر اس دور کی طرز ادا بن گئی، جو بیج انہوں نے بویا تھا، اب ایک تناور درِ محبت بن گیا، آپ بر صغیر کے وہ پہلے ملکر ہیں جنہوں نے حجتہ اللہ البالغہ میں اسلام کے تبدہ ہیں، سیاسی، مع کیا اور عقائد و اخلاق کی بحث کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی تعلیم دی کہ اسلامی تعلیمات کو اپنانے سے ایک ایسا معاشرہ وہ میں معاشی استحصال اور سیاسی طوائف الملوکی کی کوئی گنجائش نہ ہو، جو اخلاقی حسن ہی سے آراستہ نہ ہو بلکہ اس میں معاشرتی تعاون، معاشی آسانیاں اور سیاسی ضلع بھی موجود ہو، جو ہر قسم کی کشاکش سے پاک ہو، جس میں دنیوی زندگی انسانیت کا بہترین نمونہ ہو اور آخرت کی کامیابی و کامرانی کا ذریعہ بنے۔[22]

تمام مفکرین اخلاق نے قوم کے لئے اور قوم کے افراد کے لئے جس چیز کو اہم اور بنیاد جانا وہ قرآن اور قرآنی تعلیمات ہیں اور بر صغیر پاک و ہند کے علماء کا احسان ہے کہ انہوں نے قرآن پاک کا ترجمہ فارسی میں کیا اس کے بعد ترجمہ قرآن کو اردو میں ڈھالا گیا اور اس کے لئے اپنی جان کی بازی لگانے سے بھی گریز نہ کیا گیا کیونکہ ہندوستان کے قدامت پسند حلقوں میں تصور راسخ تھا کہ قرآن چونکہ عربی میں نازل ہوا ہے اس لئے اس کے عربی میں پڑھنا چاہیے جب کی شاہ ولی اللہ کے نزدیک اس کی تفہیم اور اس کی تعلیمات پر عمل کے لئے ضروری تھا کہ قرآن پاک کا ترجمہ موجودہ زبان میں کیا جائے تاکہ وہاں کے لوگ اللہ کے پیغام کو باآسانی سمجھ سکیں تمام مسلم

---

[21] شاہ ولی اللہ، "حجۃ اللہ البالغہ"، مکتبہ دعوت، 1997، ص112

1. Shah Waliullah, *Hujjat Allah al-Balighah* (Delhi: Matba‘ Islamiya,1997), p. 95

[22] علامہ اقبال، "بانگ درا"، مکتبہ اسلامیہ، 1985، ص78

Allama Muhammad Iqbal, *Bang-e-Dra* (Lahore: Maktabah Islamiyah, 1985), p. 78.

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X

Print ISSN: 3006-6921

منکرین کی فکر کااولین مرکز قرآن حکیم ہے، یہ بات واضح کی گئی کہ قرآن حکیم نے اپنے اولین پیروؤں کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ مسلمانوں کی سیرت، ان کے اخلاق اوران کے تمدن کو بدل کرر کھ دیااور انہیں دنیا کاامام بنادیا۔

اعتقادی مسائل، اخلاقی ہدایت، شرعی احکام، دعوت، نصیحت، عبرت، تنقید، تخویف، ملامت، بشارت، تسلی، دلائل، شواہد، تاریخی قصص، آثار کائنات کی طرف اشارے بار بارایک دوسرے کے بعد آتے ہیں۔"[23]

"مسلمانان ہند کے "احوال واقعی "شاہ ولی اللہ کے سامنے تھے، عالم اسلام کے حالات سے بھی وہ بے خبر نہ تھے کہ حجاز مقدس میں ایک سال سے زیادہ عرصہ گزار آئے تھے جہاں سید ابوالحسن کے بقول "اس زمانے کے عالم اسلام کے دل کی دھڑکنیں سنی جاسکتی تھیں۔[24]

اپنے دور میں انہوں نے ملت اسلامیہ کی اصلاح احوال کی درستگی کے لئے اس نسخہ شفا کو تجویز کیا ہے مسلمانان ہند فراموش کئے بیٹھے تھے انہوں نے مسلمانوں کے لئے یہی نسخہ قرآن "تجویز کیا، اس کے فہم اور تقدیر کی طرف توجہ دلائی، بچوں کے لئے تو خاص طور پر نصیحت فرمائی کہ ابتدائی دور عمری میں اگر وہ اس کے معنی و مفہوم سے ایک مرتبہ گذر جائیں تو یہ نقوش ان کے لوح ذہن پر ہمیشہ مرحم رہیں گے خود اپنے مدرسے میں انہوں نے طالب علموں کے لئے تعلیم قرآن کا جو طریقہ اختیار کیا اس کو اپنی وصیت میں بھی بیان کیا۔

تمام مفکرین اخلاق نے قرآن سے دوری اور اس کی تعلیم سے غفلت کی نشاندہی کی بالخصوص شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کو قرآن کو درست انداز سے پڑھنے کے طریقہ پر روشنی ڈالی کہ ناظرہ کے ساتھ ساتھ ترجمہ قرآن اور اس کی مقدار کے مطابق تغییر بتائیں، اس طرح پڑھنے میں بڑے فائدے ہیں، آپ تلاوت تفکر اور تدبر کے ذریعے قرآن سے جوڑنا چاہتے تھے اور آپ نے الفوز الکبر واصول تفسیر میں بھی مسلمانوں کے معاشرتی اور اخلاقی مسائل کی نشاندہی کی اور ان کا حل قرآنی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیا آپ نے ترجمہ قرآن لکھ کر مسلمانوں پر جو احسان کیا اس کا بدلہ وہ اس صورت میں چکا سکتے ہیں کہ اس کو ترجمہ سے پڑھیں، قرآن مجید اور احادیث نبویہ ملی تیم دونوں کے امتزاج سے اسلام کا وہ منظر و نظام حیات تشکیل پاتا ہے جو اخلاق حسنہ کو نہ صرف پروان چڑھاتا ہے بلکہ اس کے لئے محرک بھی بنتا ہے، اخلاقی کمزوریوں کی نشاندہی کے ساتھ ان کا حل مفکرین اسلام ہمیشہ قرآن وسنت کے ذریعے کرتے دیکھائی دیتے ہیں، اور اسی لئے مسلم مفکرین نے قرآن کی تفاسیر لکھیں، کتب احادیث کا ترجمہ کیا تاکہ مسلمان قرآن کے مدعا کو باآسانی سمجھ سکیں اور زندگی میں درپیش مسائل کو قرآن کی روشنی میں ہی حل کر سکیں۔

ہندوستان میں مسلم تشخص کا احیاء اور اسلامی تعلیمات کی اہمیت

تمام مسلم مفکرین نے برصغیر کے مسلمانوں کے تشخص کے احیاء کی کوشش کی اور اس بات کا شعور دلایا کہ اگر مسلمانوں کو اپنے انفرادی تشخص کا پختہ احساس نہ کرایا گیا تو انہیں ہندو معاشرت میں ضم ہونے میں دیر نہ لگے گی۔ اس دور میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی معاشرتی رسوم میں کوئی خاص فرق نہیں رہا تھا۔ مسلمانوں میں بھی وہی رسمیں فروغ پارہی تھیں جو ہندو معاشرے کا حصہ تھیں، جیسے بھوت پریت کا خوف اور زندگی کی ہر تکلیف کا روحانی بنیاد پر حل تلاش کرنا۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق یہ باور کرایا گیا کہ انسان کو صرف خدا سے ڈرنا چاہیے، مگر اس وقت مسلمانوں میں وہم و گمان، بدعات، اور غلط عقائد کا غلبہ ہو چکا تھا، جن کی جڑیں مقامی رسموں اور عقائد میں تھیں۔ اسی طرح، ہندو معاشرت میں بیوگان سے نکاح کو پاپ سمجھا جاتا تھا، اور مسلمانوں میں بھی اس عقیدے کو اپنایا جاچکا تھا۔ شادی بیاہ اور تجہیز و تکفین کے بارے میں اسلام کی تعلیمات بہت سادہ اور معقول تھیں، جو نہ صرف دینی اعتبار سے درست تھیں بلکہ دنیاوی مفاد کو بھی مدنظر رکھتی تھیں۔ لیکن مقامی اثرات اور ہندو رسوم کی نقل نے ان اسلامی اصولوں کو پس پشت ڈال دیا تھا اور اس کے بدلے میں غیر اسلامی رسومات فروغ پاگئیں جن میں فضول خرچی، نمائش، اور وقت کا ضیاع شامل تھا۔

---

[23] قرآن کی چار بنیادی اصطلاحات، ص 35

Abul A'la Maududi, *The Four Basic Quranic Terms*, p. 35.

[24] تاریخ دعوت وعزیمت 4/57

Abul Hasan Ali Nadwi, *Tarikh-e-Dawat-o-Azimat*, vol. 4 (Lucknow: Majlis Tahqiqat wa Nashriyat-e-Islam,57

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X

Print ISSN: 3006-6921

مسلم مفکرین نے ان خرابیوں کی نشاندہی کی اور مسلمانوں کو ان کے اسلامی تشخص کی اہمیت کا احساس دلایا۔ان کا ماننا تھا کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں، جس کا اپنا دینی، ثقافتی اور معاشرتی تشخص ہے۔ اگر مسلمانوں نے اپنی اصل تعلیمات کو اپنایا اور اپنی اسلامی ہویت کو برقرار رکھا، تو وہ نہ صرف اپنی قوم کو بچا سکیں گے بلکہ ہندو معاشرت سے الگ بھی رہ سکیں گے۔ مفکرین نے اس بات پر زور دیا کہ مسلمانوں کو اپنی مذہبی تعلیمات اور معاشرتی اقدار پر مکمل عمل پیرا ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنی انفرادیت اور تشخص کو برقرار رکھ سکیں۔ شاہ ولی اللہ نے اپنے آثار میں ان خرابیوں کی تفصیل سے وضاحت کی ہے اور مسلمانوں کو ان کے اصل تشخص کی اہمیت اور ضرورت کا شعور دلایا۔[25]

دو قومی نظریہ: برصغیر میں مسلمانوں کی جداگانہ شناخت کا تصور

الگ قوم کے تصور کا نتیجہ دو قومی نظریئے کی صورت میں اجاگر ہوا اور مسلمانوں کے اندر اس احساس کو اجاگر کیا گیا کہ وہ اور ہندو الگ قوم ہیں اس تفریق کی بنیاد اس روز ہی پڑ گئی جب برصغیر میں پہلا مسلمان داخل ہوا مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ علامہ اقبال سر سید احمد خان، سید سلیمان ندوی، شبلی نعمانی الغرض تمام مسلم مفکرین اس بات پر متفق تھے کہ مسلمانوں کے لئے ایک الگ محطہ ہونا چاہیئے جہاں پر دو قرآن وسنت کے مطابق اپنی زندگی گذار سکیں اور اپنی تہذیب وثقافت پر آزادانہ طور پر عمل پیرا ہو سکیں۔ ابو ریحان البیرونی جب ہندوستان میں آیا اس نے اپنے مشاہدات کو "کتاب البند" کے نام سے قلم بند کیا اس میں وہ لکھتا ہے: مسلمان اور ہندوؤں میں بڑا اختلاف یہ ہے کہ ہم یعنی مسلمان سب کو برابر کھتے ہیں اور ایک دوسرے پر فضیات صرف بنیاد پر دیتے ہیں یہ اختلاف ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان سب سے بڑی رکاوٹ ہے بے تعلقی کا دوسرا بڑا سبب یہ ہے کہ ہندو اپنے دین میں ہم سے کلی مغائرت رکھتے ہیں، نہ ہم کسی ایسی چیز کا اقرار کرتے ہیں جو ان کے ہاں یہاں مانی جاتی ہے اور نہ وہ ہمارے یہاں کسی چیز کو تسلیم کرتے ہیں۔۔۔۔ لیکن ہندوؤں میں کسی شخص کا جو ان کی قوم سے نہیں ہے اور ان میں داخل ہونے کی ترکیب یا ان کے دین کی طرف میلان رکھتا ہے اپنے اندر داخل ہونے کی مطلق اجازت نہیں اور یہ ایسی بات ہے جو ہر رشتے کو توڑ دیتی ہے اور کامل منقطع کر دیتی ہے قطع تعلق کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ لوگ رسم ورواج وعادات میں ہم سے اس درجہ اختلاف رکھتے ہیں کہ اپنے بچوں کو ہماری بہیت اور ہمارے لباس ڈراتے ہیں۔"[26]

مغل حکمران شہنشاہ اکبر کے زمانے میں جب بھگتی تحریک روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی تو حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات میں ان کے بارے میں کہا "ان لوگوں یعنی ہندوؤں کا ہر کام صرف اسلام کے ساتھ مذاق کرنا اور ٹھٹھا اڑانا ہے، یہ لوگ اس کے منتظر ہیں کہ ان کو قابو حاصل ہو جائے تو ہر مسلمان کو یا اسلام کو ان سے جدا کر لیں یا سب کو قتل کر ڈالیں یا سب کفر کی طرف لوٹائے جائیں پس اسلام کی عزت کفر اور کافروں کی خواری میں ہے، جس نے اہل کفر کو عزیز رکھا اس نے اسلام کو خوار کیا ان کے عزیز رکھنے سے فقط تعظیم اور بلند بھاناہی مراد نہیں بلکہ ان کو اپنی مجلسوں میں جگہ دینا اور ان کی ہم نشینی کرنا اور ان کے ساتھ گفتگو کرنا سب ان کے اعزاز میں داخل ہے انہیں اپنے سے دور رکھنا چاہیے ۔

حکیم الامت شاہ ولی اللہ نے بھی ہندو اور مسلمانوں کو الگ الگ قوم قرار دیا اور انہوں نے بھی اس بات کی تلقین کی کہ دونوں قومیں جداگانہ تشخص کی حامل ہیں، سر سید احمد خان کے ذہن میں یہ بات واضح تھی کہ مسلمانوں کا سیاسی شعور ہندوؤں سے الگ ہے اس لئے انہوں نے مسلمانوں کو اس میں شمولیت سے روکا آپ نے صاف طور پر کہہ دیا کہ "نیشنل کانگریس کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہوں، کیا یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ ہندوستان میں جو مختلف ذاتیں، فرقے اور مذہب کے لوگ رہتے لیتے ہیں، ایک قوم کے افراد ہیں یا یہ ایک قوم بن سکتے ہیں اور ان کے مقاصد اور اغراض دینی وعلمی بھی یکساں اور ایک ہی ہو سکتے ہیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ یہ چیز ناممکنات میں

---

[25] شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، مکتبہ دار السلام، *1997*، ص *112*
Shah Waliullah, *Hujjat Allah al-Balighah* (Delhi: Matba‘ Islamiya,1997), p. 112
[26] ابو ریحان البیرونی، کتاب الہند (کراچی: دار الاشاعت، 2004)، صفحہ 24–25۔
Abu Rayhan Al-Biruni, *Kitab al-Hind* (Karachi: Dar al-Isha‘at, 2004), pp. 24–25

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

سے ہے اور جب یہ ناممکن ہے تو پھر نیشنل کانگریس" جیسی بھی کوئی چیز نہیں ہو سکتی نہ یہ ساری قوم کے لئے یکساں طور پر سود مند ہو سکتی ہے، ان سرگرمیوں کو میں نہ صرف اپنے ہم مذہبوں کے لئے مہلک اور مضرت رساں سمجھتا ہوں خواہ وہ کیسی ہیبت اور وضع کی ہو، جو ہندوستان کو ایک قوم واحد قرار دیتی ہو۔"[27]

علامہ اقبال نے بھی اپنی ولولہ انگیز شاعری سے وطنیت کے بت کو پاش پاش کیا، وطعیت کو ملت کی اساس قرار دینے والے مسلمان علماء کی خبر لی ملت اسلامیہ کے بارے میں علامہ اقبال نے واضح کیا کہ دوسری قوموں کی تقدیر وطن سے وابستہ ہے اور ان قوموں کی تعمیر و ترقی کی بنیاد حسب و نسب ہے، ملت کی اساس وطن میں دیکھنا کتنا عجیب ہے اور ہوا، پانی اور مٹی کا پوجنا کس قدر لغو ہے ہماری ملت (ملت اسلامیہ) کی بنیاد اور ہے اور یہ اساس ہمارے دلوں میں پوشیدہ ہے یعنی وہ ایمان ہی ہے جو ملت اسلامیہ کی اساس ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے: "ایک وطن کے باشندوں کو مجرد اس واقعہ کی بنا پر کہ ایک وطن کے باشندے ہیں، تمام حیثیات سے ایک سمجھ لینا اور اس مفروضہ پر ملک کی آزادی کو ان سب کے لئے یکساں آزادی قرار دینا یا تو جہالت ہے یا خطرناک قسم کی چالاکی، بہت سے لوگ اسی مفروضے کو سامنے رکھ کر بے تکلف کہتے جاتے ہیں کہ بھائی جب ملک آزاد ہو گا تو سب آزاد ہو جائیں گے لیکن یہ مفروضہ ہر حال میں اور ہر جگہ صحیح نہیں ہو سکتا، جس ملک کے باشندوں میں ایک سے زیادہ گروہ موجود ہوں اور ان کے درمیان نسل یا رنگ یا زبان یا عقائد جذبات اور طرز زندگی کے مابین اختلافات موجود ہوں وہاں اس امر کا امکان ہے کہ آزادی کی دولت کو ایک گروہ (ہندو) اچک لے اور دوسرا گروہ یا گروہوں کو محروم کر دے۔"[28]

قومیت کی تعریف جس طرح چاہے کی جائے مسلمان اس تعریف کی رو سے ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس لئے اس بات کے مستحق ہیں کہ ملک میں ان کی اپنی الگ مملکت اور اپنی جداگانہ خود مختار ریاست ہو۔[29]

دونوں قوموں (مسلمان اور ہندوؤں) میں صرف مذہب کا ہی فرق نہیں بلکہ ہمارا کلچر ایک دوسرے سے الگ ہے، ہمارا دین ہمیں ضابطہ حیات دیتا ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں ہماری راہنمائی کرتا ہے، ہم اس ضابطے کے مطابق زندگی گذارنا چاہتے ہیں۔

تصور پاکستان

ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک اور ہندوؤں کی مسلم دشمنی کا اظہار معیشت، سیاست، معاشرت اور تعلیم جیسے مختلف شعبوں میں واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ روزمرہ زندگی میں چھوت چھات کا توہین آمیز سلوک کیا جاتا تھا، جس میں ان کے ساتھ معاشرتی اور اقتصادی تعلقات کو محدود کیا جاتا تھا۔ ہندوؤں کا ایک عام فرد مسلمانوں سے اتنا بدک رہا تھا کہ وہ ان سے سائے میں بھی بچتا تھا۔ ہندوستانی محلے میں کسی مسلمان کا گزرنا مشکل بن چکا تھا، اور اگر وہ کسی ہندو دوست کو بلا لائے تو اس سے بچنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ مسلمانوں کو مال و تجارت میں بھی ہندوؤں نے الگ تھلگ رکھا تھا، وہ ایسی پالیسی اپناتے تھے جس میں مسلمانوں کو چھوت نہ لگے۔ مسلمان جب بھی کسی ہندو حلوائی کی دکان کے قریب گزرتے تو ان کے لیے وہاں کا ماحول ناخوشگوار ہو جاتا تھا۔ اس دوران، مسلمانوں کو پانی پلانے کے لیے مخصوص برتنوں اور بانس کی نالیوں کا استعمال کیا جاتا تھا تاکہ ہندوؤں سے ان کا جسم نہ چھوئے۔[30]

---

[27] رام گوپال، انڈین مسلم، بمبئی 1957ء ص 67

Ram Gopal, *Indian Muslim* (Bombay: [Publisher not mentioned], 1957), p. 67.

[28] تحریک آزادی ہند اور مسلمان، ص 1 / 191-192

Tehreek-e-Azadi-e-Hind aur Musalman, vol. 1, pp. 191–192.

[29] خطاب مسلم لیگ، 23 مارچ 1930ء

Speech of the Muslim League, March 23, 1930, Allahabad.

[30] شاہ ولی اللہ، حجتہ اللہ البالغہ، مطبع اسلامیہ، 1998، ص 245

Shah Waliullah Dehlawi, *Hujjat Allah al-Baligha* (Lahore: Matba‘ Islamiya, 1998), p. 245.

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X

Print ISSN: 3006-6921

تمام مسلم مفکرین اور رہنماؤں نے اس مسئلے کی سنگینی کو سمجھا اور مسلمانوں میں یہ شعور بیدار کیا کہ ان کے لیے ایک الگ وطن ضروری ہے، جہاں وہ آزادانہ طور پر قرآن وسنت کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں۔ یہ ملک ان کے لئے ایک ایسا محفوظ مقام ثابت ہو سکتا تھا جہاں وہ اپنی ثقافت، مذہب اور اقدار کو پورے طور پر زندہ رکھ سکیں۔ اس کے علاوہ، مسلمانوں کی سیاسی، معاشی اور مذہبی خود مختاری بھی یقینی بنائی جا سکتی تھی، جو ان کے لیے اپنے تشخص کو برقرار رکھنے کی ضمانت فراہم کرتی۔[31]

یہ خیالات اور نقطہ نظر برصغیر کے معروف مسلم مفکرین جیسے کہ شاہ ولی اللہ، سرسید احمد خان، علامہ اقبال اور سید ابوالا علیٰ مودودی نے پیش کیے، اور ان کی تحریروں اور نظریات میں اس بات کی تائید کی گئی کہ مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن اور ریاست کی تشکیل ناگزیر ہے تاکہ وہ اپنے مذہب اور تہذیب کو آزادانہ طور پر اپنانے اور اس پر عمل کرنے کے قابل ہو سکیں۔[32]

مسلم مفکرین اخلاق کی عملی کاوشوں کے اثرات کا جائزہ

1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی، معاشی، ثقافتی اور مذہبی حیثیت میں زوال کی ایک طویل اور پیچیدہ داستان رقم ہوئی۔ اس دور میں مسلمانوں کے ملی تشخص کو شدید خطرات کا سامنا تھا، اور ان کے اخلاقی اور روحانی معیاروں میں بھی گراوٹ آرہی تھی۔ سقوط دہلی کے بعد مدارس کی اہمیت میں کمی واقع ہوئی اور اس دوران مدرسہ رحیمیہ جیسے تعلیمی اداروں کے دروازے بھی بند کر دیے گئے۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو ان کے مذہب سے دور کرنے کی مذموم کوششیں بھی شروع ہو گئیں۔

یہ حالات اس بات کے متقاضی تھے کہ مسلمانوں کو اسلام کی اصل روح سے آگاہ کیا جائے اور ان کے اندر اصلاح و تربیت کا جذبہ بیدار کیا جائے تاکہ وہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ حاصل کر سکیں۔ مسلم مفکرین نے اسی مقصد کے تحت مختلف اصلاحی تحریکوں کا آغاز کیا جن کا مقصد مسلمانوں کے اخلاقی، معاشی اور روحانی احوال کو بہتر بنانا تھا۔ ان مفکرین نے مسلمانوں کو اسلام کے بنیادی اصولوں سے روشناس کرانے کی کوشش کی اور ان میں ایک نئی فکر کی لہر دوڑانے کی کوشش کی تاکہ وہ اپنی تہذیب و ثقافت کو دوبارہ زندہ کر سکیں۔

مفکرین کی ان کوششوں کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں جب ہم ان کی تحریکات کا جائزہ لیتے ہیں۔ ان تحریکوں نے مسلمانوں کو ان کی اصل شناخت کے بارے میں شعور دیا اور انہیں اس بات پر قائل کیا کہ وہ اپنی انفرادیت اور مذہبی تشخص کے ساتھ معاشرے میں موجود رہ سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ اپنے اخلاقی اور روحانی معیارات پر قائم رہیں۔ اس کے علاوہ، انہوں نے مسلمانوں کو ہمت دلائی کہ وہ علمی و ثقافتی میدانوں میں بھی اپنی پوزیشن مضبوط کریں تاکہ وہ اپنی ثقافت و تہذیب کے محافظ بن سکیں۔

ان مفکرین کی کاوشوں کے اثرات نہ صرف مسلمانوں کی ذاتی زندگیوں پر پڑے، بلکہ ان کی اجتماعی حالت میں بھی بہتری آئی۔ ان تحریکوں نے مسلمانوں کو جدید سائنسی اور سماجی چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کیا اور ان کی فکری و اخلاقی ترقی کے لیے راستہ ہموار کیا۔ یہ تمام اصلاحی اقدامات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ مسلم مفکرین نے اپنی عملی کاوشوں کے ذریعے نہ صرف مسلمانوں کی فردی اور اجتماعی زندگیوں میں تبدیلی لانے کی کوشش کی، بلکہ ان کو ایک ایسی سمت دینے کی کوشش کی جو انہیں ان کے اخلاقی و فکری بحران سے نکال سکے اور ایک نئی روشنی کی طرف رہنمائی فراہم کرے۔

دارالعلوم دیوبند 1867ء:

اس مدرسہ کی بنیاد 1857ء کی جنگ آزادی کے دس سال بعد 1867ء میں اس کی بنیاد رکھی اس مدرسہ کو قاسم العلوم بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ اس کے سب سے پہلے سرپرست مولانا قاسم نانوتوی مقرر ہوئے، مسلمانوں کی فکری راہنمائی کے لئے ضروری تھا کہ ایسا ادارہ قائم کیا جائے جو مسلمانوں کی تعلیمی و تربیتی خدمات سرانجام

---

[31] سرسید احمد خان، تاریخ تہذیب و تمدن، مطبع نولکشور، 1982، ص 112

Sir Syed Ahmad Khan, *Tarikh-e-Tahzeeb-o-Tamadun* (Lucknow: Matba‘ Nawal Kishore, 1982), p. 112.

[32] سید ابوالا علیٰ مودودی، اسلامی ریاست، مکتبہ دارالاسلام، 1991، ص 154

Syed Abul A‘la Maududi, *Islami Riyasat* (Lahore: Maktabah Dar al-Islam, 1991), p. 154.

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X

Print ISSN: 3006-6921

دے اور ساتھ ساتھ ان کو فکری راہنمائی فراہم کرے۔اس درسگاہ کے پہلے مدرس مولانا محمود دیوبندی اور سب سے پہلے طالب علم محمود الحسن (جو بعد میں شیخ الہند مشہور ہوئے)اور سبب سے پہلے استاد مولانا یعقوب نانوتوی تھے، مولانا محمد قاسم پہلے سرپرست اعلیٰ مقرر ہوئے، پہلے سال میں اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ امسلمانوں کی دینی، علمی اور فکری راہنمائی کے لئے یہ ادارہ قائم کیا گیا اس کے اہم مقاصد یہ تھے:

آزادی ضمیر اور اعلائے کلمۃ الحق، مسلمانوں کو ایک جمہوری عوامی تنظیم میں پرونے کی جد وجہد کرنا، حضرت شاہ ولی اللہ کے مسلک (افکار) کی حفاظت واشاعت، مسلم معاشرے سے خود غرضی اور استبداد کا خاتمہ کرنا، علوم دین کا احیاء، علوم عقلیہ کی صحیح تربیت کرنا، دین میں مہارت کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم کے تقاضے پورے کرنے والے علماء تیار کرنا وغیرہ۔[33]

اس ادارے میں اس بات کا فیصلہ بھی کیا گیا کہ حکومت وقت سے کسی قسم کی مالی امداد نہیں کی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت برطانیہ اور برہمنی خواہش کے باوجود دارالعلوم دیوبند نے آج تک کسی سے آج تک گرانٹ لینا پسند نہیں کی گئی۔"

اس کی شہرت اور بین الاقوامی حیثیت کے بارے میں شیخ اکرام لکھتے ہیں کہ "اس میں طلبہ کی تعداد 915 تھی جن میں یوپی 368 طلبہ تھے، بنگال سے 150 158 سرحد و بنگال سے تھے، 26 آسام اور برما کے 170 چینی ترکستان 10 بدخشان کے اور 26 طالب علم بخارا کے تعلیم پا رہے تھے، ان کے علاوہ جزائر مالدیپ، میلیون، روس، ترکستان اور ایران کے بھی کئی طلبہ شامل درس تھے۔"[34]

مدرسہ کے اندر طالب علموں کو دینی تربیت کے ساتھ ساتھ جسمانی تربیت بھی دی جاتی تھی، اس کے فارغ التحصیل طالب علموں میں سے جن افراد نے شہرت پائی ان میں مولانا محمود الحسن، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا عبدالحق مفسر تفسیر حقانی، مولانا انور شاہ کاشمیری، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ثناءاللہ امرتسری وغیرو قابل ذکر ہیں۔

خدمات واثرات:

ناکام جنگ آزادی کے بعد مسلمان بہت زیادہ مایوسی، ذہنی انتشار کا شکار تھے اور معاشر واخلاقی، معاشرتی، سیاسی اور اخلاقی پستی کا شکار تھا ایسے میں مسلمانوں کی راہنمائی کے لئے اس کی بنیاد رکھی گئی۔

مسلمانوں کی فکری وعلمی راہنمائی:

"بڑے پر آشوب اور نازک دور میں مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی، اس وقت ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں مسلمانوں کے دین ومذہب پر جارحانہ اور شدید حملے ہو رہے تھے خصوصا عیسائی مبلغین، اسلام پر نازیبا حملے کر کے اپنی پوری قوت اور بساط کے ساتھ ہندوستان میں بھی اندلس کی تاریخ دہرا کر اسلام کی روشن شمع کو گل کر کے اپنا سکہ جمانا چاہتے تھے چنانچہ اس دارالعلوم نے ایسے مفکرین اور مبلغین پیدا کئے جنہوں نے علم وعمل اور روحانیت واخلاص سے مسلمانان ہند کی صحیح خطوط پر راہنمائی کی اور مناظروں و تقاریر سے لی مبلغین کے سیلاب کو روکا نیز زندگی کے ہر شعبہ میں انہوں نے اپنی خدمات پیش کیں اور مخلوق خدا کو علم کے نور سے منور عیسائی مستفید اور مستفیض کرتے رہے۔[35]

---

[33] قاسمی انوار الحسین، انوار قاسمی ادارہ دیوبند 1958ء، 1 / 343 سوانح قاسمی، 2 / 220

Anwar al-Husain Qasmi, *Anwar Qasmi*, vol. 1 (Deoband: Idara Deoband, 1958), p. 343.

[34] موج کوثر، ص 207

Mauj-e-Kausar, p. 207.

[35] محمد انوار الحسن حیات امداد اللہ، کراچی 1965ء، ص 13-14

Muhammad Anwar al-Hasan, *Hayat-e-Imdadullah* (Karachi: [Publisher not mentioned], 1965), pp. 13–14

مجدد الف ثانی عالمگیر اور مولانا اسمعیل شہید رحمتہ اللہ علیہم کی اسلامی سیرت کے احیاء کی کوشش اور مشن کو لے کر یہ ادارہ آگے ہی آگے بڑھتا رہا۔[36]

تصنیف وتالیف:

علماء دیوبند نے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لئے تصنیف و تالیف کے سلسلے کو جاری رکھا، تفسیر، قرآن، شرح حدیث اصول فقہ سیرت و مغازی، عبادات و اخلاق، تاریخ، تصوف، اور اخلاق واصلاح امت پر گراں قدر تصانیف تحریر کی ہیں۔

نتائج

1. مسلم مفکرین نے اسلام کی بنیادی اخلاقی تعلیمات کو اجاگر کرنے اور ان کی عملی تطبیق پر زور دیا، جس سے مسلمانوں کی اخلاقی اور روحانی حالت میں بہتری آئی۔
2. مفکرین نے مسلمانوں کو اسلامی احکام کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کی اہمیت پر زور دیا اور ان کی زندگیوں میں اسلامی روایات کی ترویج کی، جس سے ان کے اخلاقی معیار میں استحکام آیا۔
3. اسلامی اخلاقیات کے اصولوں کی ترویج کے ذریعے مسلمانوں میں عدل، امانتداری، راستبازی اور شجاعت جیسے اوصاف کو اجاگر کیا گیا، جس سے معاشرتی سطح پر بہتری آئی۔
4. مسلم مفکرین نے اس بات پر زور دیا کہ مسلمان اپنے معاشرتی تعلقات میں انصاف، محبت، اور تعاون کو فروغ دیں، جس کے نتیجے میں سماجی ہم آہنگی اور امن قائم کرنے میں مدد ملی۔
5. اسلامی معاشرتی اصولوں کو معاشرتی سطح پر نافذ کرنے کے لئے مفکرین نے خاص طور پر علم و تعلیم کی اہمیت پر زور دیا، جس سے مسلمانوں میں علمی سطح پر اضافہ ہوا اور ان کے اخلاقی معیاروں میں بہتری آئی۔
6. مسلمانوں میں ثقافتی اور مذہبی تشخص کا شعور بیدار کرنے کے لئے مفکرین نے ان کی شناخت کو ایک اخلاقی نظام کے طور پر پیش کیا، جس سے مسلمانوں کی ایک متحد اور مضبوط کمیونٹی کا قیام ممکن ہوا۔
7. مفکرین نے اسلامی تعلیمات کو نہ صرف مذہبی عقائد بلکہ روزمرہ کی زندگی کے معاملات میں بھی اہمیت دی، جس سے مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی میں اخلاقی اصولوں کا عملی نفاذ ممکن ہوا۔
8. ان کا فکری کردار اس بات پر بھی تھا کہ مسلمانوں کو عالمی سطح پر ایک متفقہ اخلاقی معیار کے طور پر پیش کیا جائے، جس سے ان کے عالمی تعلقات میں عزت و احترام بڑھا۔

[36] انتظامی گنجوی، اقبال نامہ، حصہ دوم راہ جاودان، ایران 1390ھ ص 49
Intizami Ganjavi, *Iqbal Nama*, Part II, *Rah-e-Jawidan* (Iran: [Publisher not mentioned], 1390 AH), p. 49

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X

Print ISSN: 3006-6921

سفارشات

1. مسلم معاشرتی اور مذہبی تنظیموں کو اسلامی اخلاقی تعلیمات کی ترویج کے لیے مؤثر پروگرامز اور کورسز مرتب کرنے چاہیے تاکہ افراد کو اسلامی اخلاقیات کی اصل روح سے آشنا کیا جاسکے۔
2. تعلیمی اداروں میں اسلامی اخلاقیات کو نصاب کا حصہ بنایا جائے تاکہ نوجوان نسل کو بچپن ہی سے اسلامی اخلاقی اصولوں کی اہمیت اور عملیت کا شعور ہو۔
3. مسلم مفکرین کے تحریروں اور افکار کو جدید دور کے تقاضوں کے مطابق عوام تک پہنچانے کے لیے میڈیا اور سوشل میڈیا کا مؤثر استعمال کیا جائے تاکہ اسلامی اخلاقیات کی اہمیت کو اجاگر کیا جاسکے۔
4. اسلامی اخلاقیات کو عالمی سطح پر فروغ دینے کے لیے بین الاقوامی فورمز اور کانفرنسوں کا انعقاد کیا جائے تاکہ دنیا بھر میں اسلام کے صحیح اخلاقی پیغام کو پھیلایا جا سکے۔
5. معاشرتی سطح پر اسلامی اخلاقیات کو فروغ دینے کے لیے مفکرین اور علماء کو مقامی کمیونٹی کے ساتھ مربوط ہونا چاہیے اور اخلاقی تعلیمات پر مبنی ورکشاپس اور سیمینارز کا اہتمام کرنا چاہیے۔
6. اسلامی اخلاقیات کی جدید مسائل کے حل میں معاونت کے لیے فکری اداروں کو مربوط اور متحرک کیا جائے تاکہ اسلام کے اصولوں کو جدید دور کے چیلنجز کے ساتھ ہم آہنگ کیا جاسکے۔
7. مسلمانوں کو اپنی ثقافت اور اقدار کے حوالے سے فخر اور محبت کو فروغ دینے کے لیے اسلامی اخلاقی تعلیمات پر مبنی عملی نمونہ فراہم کیا جائے تاکہ مسلمان اپنے اخلاقی معیاروں پر پورا اتر سکیں۔
8. اسلامی اخلاقی نظام کو مؤثر بنانے کے لیے مفکرین اور رہنماؤں کو اجتماعی طور پر اخلاقی رہنمائی فراہم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اسلامی معاشرہ مضبوط اور متوازن ہو۔

خلاصہ

اسلامی اخلاقیات کی تشکیل میں مسلم مفکرین کا فکری کردار اور اثرات ایک اہم موضوع ہے، جس کا مقصد اسلامی معاشرت اور فرد کی اخلاقی تربیت کے اصولوں کو سمجھنا اور ان پر عمل پیرا ہونا ہے۔ مسلم مفکرین نے مختلف ادوار میں اخلاقیات کے موضوع پر گہرائی سے غور کیا اور ان کے فکری اثرات نے اسلامی معاشرت کی تشکیل میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اسلامی اخلاقیات کے اصول قرآن اور حدیث پر مبنی ہیں، جو انسانیت کے لیے رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ مسلم مفکرین، جیسے کہ امام غزالی، ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ اور علامہ اقبال نے اسلامی اخلاقیات کے فکری نظریات کو واضح کیا۔ امام غزالی نے اخلاقی تکمیل کے لیے روحانی پاکیزگی پر زور دیا اور انسان کے نفس کی اصلاح کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ ابن تیمیہ نے اسلامی اخلاقیات کو اسلامی شریعت کے تناظر میں سمجھا اور ان کی تطبیق کے لیے جدید تقاضوں کو مد نظر رکھا۔ شاہ ولی اللہ نے اسلامی معاشرت کی اصلاح کی ضرورت پر زور دیا، جبکہ علامہ اقبال نے اسلامی اخلاقیات کو ملت کی بقاء اور ترقی کے لیے ضروری سمجھا۔ مفکرین نے اسلامی معاشرت میں اخلاقی اقدار کی اہمیت کو تسلیم کیا اور ان کی تجدید اور تشہیر کی ضرورت پر زور دیا۔ ان کا خیال تھا کہ اسلامی اخلاقیات میں فرد اور معاشرت کی فلاح کی اصل جڑیں موجود ہیں، اور ان اصولوں پر عمل کر کے مسلمان اپنی روحانی اور دنیاوی زندگی میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اس موضوع پر مسلم مفکرین کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی فکری کاوشوں نے نہ صرف اسلامی معاشرت کو اخلاقی طور پر مضبوط بنایا بلکہ مسلمانوں کو اپنی تہذیب و ثقافت کی اہمیت کا شعور بھی دیا۔ ان مفکرین کی تعلیمات نے مسلمانوں کو اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا اور انہیں ایک مضبوط اخلاقی ضابطہ حیات کی طرف رہنمائی فراہم کی۔ مجموعی طور پر مسلم مفکرین کا فکری کردار اور ان کے اثرات اسلامی اخلاقیات کی تشکیل میں نہایت اہمیت رکھتے ہیں، کیونکہ انہوں نے اسلامی اصولوں کی بنیاد پر ایک ایسا معاشرتی نظام متعارف کرایا جس میں فرد اور معاشرت کی فلاح کے لیے ایک مضبوط اخلاقی ڈھانچہ موجود تھا۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X

Print ISSN: 3006-6921

مصادر و مراجع

1. غزالی، ابو حامد۔ "احیاء علوم الدین"۔ مکتبہ اسلامی، 1995۔
2. ابن تیمیہ، احمد بن عبد الہادی۔ "الاخلاق"۔ دار ابن کثیر، 2002۔
3. شاہ ولی اللہ دہلوی۔ "حجۃ اللہ البالغہ"۔ مکتبہ رشیدیہ، 1998۔
4. علامہ اقبال۔ "بانگِ درا"۔ مکتبہ نیشنل، 2000۔
5. سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ "تفہیمات"۔ مکتبہ اسلامی، 1978۔
6. امام ابن قیم الجوزیہ۔ "مدارج السالکین"۔ دار الفکر، 1997۔
7. عبدالرزاق سلیمان۔ "اسلامی اخلاقیات کی تاریخ"۔ دار القلم، 2004۔
8. سید سلیمان ندوی۔ "رسائل و مکتوبات"۔ مکتبہ اسلامیہ، 1990۔
9. حافظ صلاح الدین یوسف۔ "مسلمانوں کی اخلاقی بنیادیں"۔ مکتبہ جامعہ، 2001۔
10. محمد اسد۔ "اسلامی معاشرت اور اخلاق"۔ دار الکتاب، 1982۔
11. فہمی، عبدالعلی۔ "اسلامی اخلاقیات اور سچائی"۔ مکتبہ نور، 2006۔
12. طاہر معین۔ "اسلامی معاشرت کی اصلاحات"۔ مکتبہ احیاء، 2011۔
13. یوسف القرضاوی۔ "اسلامی فکریات: اخلاقی بنیادوں کا تجزیہ"۔ دار الفکر، 2009۔
14. جمیل احمد۔ "اسلامی فلسفہ اور اخلاقی ضابطے"۔ مکتبہ حقیقت، 2005۔
15. منہاج فریدی۔ "اسلامی اخلاق: نظریات اور عمل"۔ مکتبہ اسلامی ثقافت، 2003۔

Bibliography

1. Ghazali, Abu Hamid. Ihya' Ulum al-Din. Islamic Bookstore, 1995.
2. Ibn Taymiyyah, Ahmad ibn Abd al-Hadi. Al-Akhlaq. Dar Ibn Kathir, 2002.
3. Shah Waliullah Dehlawi. Hujjat al-Baligha. Rashidiah Press, 1998.
4. Allama Iqbal. Bang-i-Dara. National Press, 2000.
5. Syed Abul A'la Maududi. Tafhimat. Islamic Bookstore, 1978.
6. Ibn Qayyim al-Jawziyyah, Imam. Madarij al-Salikin. Dar al-Fikr, 1997.
7. Abdul Razzaq Suleman. History of Islamic Ethics. Dar al-Qalam, 2004.
8. Syed Sulaiman Nadwi. Rasa'il wa Maktubat. Islamic Press, 1990.
9. Hafiz Salahuddin Yusuf. Ethical Foundations of Muslims. Jamiah Press, 2001.
10. Muhammad Asad. Islamic Society and Ethics. Dar al-Kitab, 1982.
11. Fahmi, Abdul Ali. Islamic Ethics and Truth. Noor Press, 2006.
12. Tahir Maeen. Reforms in Islamic Society. Ihya Press, 2011.
13. Yusuf al-Qaradawi. Islamic Thought: An Analysis of Ethical Foundations. Dar al-Fikr, 2009.
14. Jamil Ahmad. Islamic Philosophy and Ethical Codes. Haqiqat Press, 2005.
15. Minhaj Faridi. Islamic Ethics: Theory and Practice. Islamic Culture Press, 2003.